www.urducouncil.nic.in

اکتوبر 2019 ، قیمت :- ₹10

ماہنامہ

بچوں کی دنیا

نئی دہلی

Monthly BACHON KI DUNIYA, New Delhi

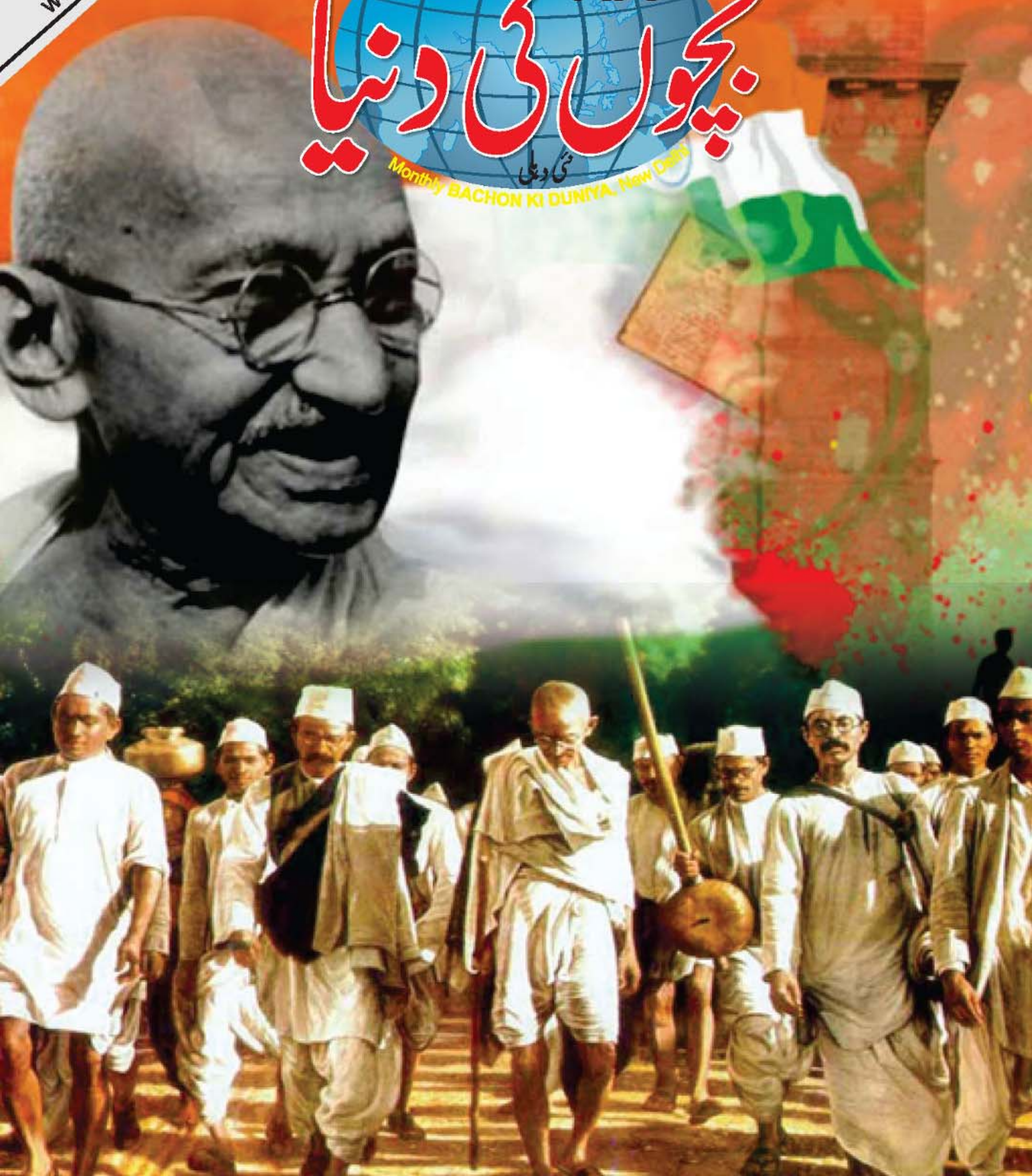

قومی اردو کونسل کی فخریہ پیش کش

ماہنامہ **اُردو دُنیا** دہلی

Monthly URDU DUNIYA, New Delhi

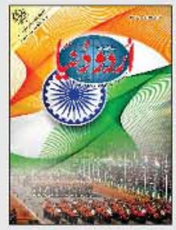

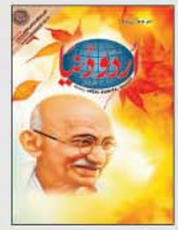

تمام تر رنگین صفحات اور دیدہ زیب تصاویر سے مزین ماہانہ عالمی جریدہ جسے آپ پوری دنیا میں اردو زبان کے کسی بھی ماہنامے سے بہتر پائیں گے۔ اردو کو آج کی دنیا سے جوڑنے والا اور عام اردو قاری و ادبی حلقوں کی دلچسپی کے ساتھ طلبا و اساتذہ کی ضرورتوں کا بھی خیال رکھنے والا اردو کا ماہنامہ

ہر شمارے میں پڑھیے ،اردو کے ادبی شاہکاروں کے علاوہ، علمی مضامین، ادبی انٹرویو، تاریخ، سائنس، صحافت، نئی کتابوں پر تبصرے، قومی اردو کونسل کی سرگرمیوں، سمیناروں اور فروغ اردو سے متعلق نئی کاوشوں کا احوال اور بہت کچھ!

فی شمارہ: 15 روپے، سالانہ: 150 روپے

اردو زبان میں علم و آگہی کا معتبر ادبی جریدہ

سہ ماہی **فکر و تحقیق**

قومی اردو کونسل کی منفرد پیش کش

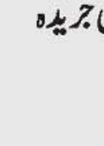

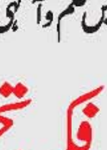
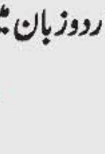

اردو زبان وادب سے متعلق اہم تنقیدی و تحقیقی موضوعات پر فکر انگیز اور تلاش و جستجو کو صحیح سمت دینے والے مواد کے ساتھ ہر تین ماہ بعد منظر عام پر آنے والا نہایت سنجیدہ علمی مجلّہ خود بھی پڑھیں اور دوسروں کو بھی پڑھنے کا مشورہ دیں!

ہندستانی خریداروں کے لیے سالانہ قیمت: 100 روپے، فی شمارہ: 25 روپے

(قومی اردو کونسل کی ویب سائٹ http://www.urducouncil.nic.in پر بھی دستیاب)

آج ہی اپنے نزدیکی بک اسٹال سے طلب کیجیے یا ہمیں لکھیے

شعبۂ فروخت: قومی کونسل برائے فروغِ اردو زبان، ویسٹ بلاک 8، ونگ 7، آر کے پورم، نئی دہلی 110066، فون: 26109746، فیکس: 26108159

E-mail.:ncpulsaleunit@gmail.com, sales@ncpul.in

بچوں کی دنیا

جلد: 7 شمارہ: 10 اکتوبر 2019

مدیر: ڈاکٹر شیخ عقیل احمد

نائب مدیر: ڈاکٹر عبدالحی

ناشر اور طابع

ڈائرکٹر، قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان
وزارتِ ترقی انسانی وسائل۔ محکمہ اعلیٰ تعلیم، حکومتِ ہند
فروغ اردو بھون، ایف سی 33/9، انسٹی ٹیوشنل ایریا،
جسولہ، نئی دہلی -110025
فون: 49539000
شعبہ ادارت: 49539009-11

ای میل
bachonkiduniya@ncpul.in
editor@ncpul.in

ویب سائٹ
http://www.urducouncil.nic.in

قیمت: /10 روپے، سالانہ /100 روپے

▪ اس شمارے کے قلم کاروں کی آرا سے قومی اردو کونسل اور اس کے مدیر کا متفق ہونا ضروری نہیں

Total Pages: 64

'بچوں کی دنیا' کی خریداری کے لیے چیک، ڈرافٹ یا منی آرڈر بنام NCPUL، شعبہ فروخت کے پتہ پر بھیجیں اور وضاحت طلب امور کے لیے وہیں رابطہ فرمائیں۔

شعبہ فروخت
ویسٹ بلاک 8، ونگ 7، آر کے پورم
نئی دہلی - 110066
فون: 26109746

ای میل: sales@ncpul.in
ncpulsaleunit@gmail.com

علاقائی مرکز: 110-7-22، تھرڈ فلور، ساجد یار جنگ کمپلکس
بلاک نمبر 5-1، پتھرگٹی، حیدرآباد - 500002
فون: 040-24415194

اس شمارے میں

مدیر کا خط	آپس کی باتیں		04
بڑوں کی باتیں	ڈاک خانہ		05
گاندھی جی	مہاتما گاندھی	ڈاکٹر ہارون رشید احمد	06
	گاندھی جی	محمد رفیع انصاری	08
	گاندھی	میمونہ علی چوگلے	09
	سوچھتا ابھیان	خورشید عالم	09
سرسید	والدہ کی تربیت اور سرسید احمد خاں	محمد اسد اللہ	10
مضامین	خواجہ نظام الدین	صفدر حسین	13
	اپٹون سنکلیر	ڈیل کارنیگی	16
	نوبل انعام اور ہندوستانی شخصیات	حارث حمزہ لون	18
نظمیں	دوست نوازی	مناظر عاشق ہرگانوی	23
	ہوا	عارف الدین شاہد	23
	اکتوبر کا روپ	عبدالرحیم نشتر	24
	کوا اور کوئل	رخشاں ہاشمی	25
کہانی	ٹیڑھے دادا کا کارنامہ	فکر تونسوی	26
نظم	ہوائی جہاز	جاوید عبدالعزیز	28
کہانیاں	اپنی مدد آپ	اظہر ابرار	29
	دوستی کے رنگ	رومانہ عفت راہی	32
کھیل اور کھلاڑی	عالمی کپ میں ہیٹرک	سید حمزہ انور علی	36
اردو کا جادو	اردو زبان کا جادو	ادارہ	39
باتصویر کہانی	انجن ناری کی کہانی اس کی زبانی	شمس الاسلام فاروقی	41
قسط وار ناول	بے زبان ساتھی	وکیل نجیب	45
کہکشاں	شیر اور کتا	لیوٹالسٹائی ترجمہ: ظہیر نیازی	53
	بوجھو تو جانیں	حلیمہ فردوس	54
	سچا دوست	ذکریٰ غزال	55
	ہنسی کے غبارے		57
ننھے فنکار	اے پی جے عبدالکلام	تسمیہ حسین صاحب	58
	بارش	خدیجہ شیرین	59
	بچوں کی پینٹنگ		60
	فیس بک		62

آپس کی باتیں

پیارے دوستو! اکتوبر کا رسالہ 'بچوں کی دنیا' حاضر ہے۔ آپ سب کے علم میں یہ بات ہوگی کہ اکتوبر کا مہینہ بابائے قوم مہاتما گاندھی کی پیدائش کا مہینہ ہے اور اس سال تو یہ اور بھی خاص ہے کیونکہ اس سال پورا ملک گاندھی جی کے یوم پیدائش کے 150 سال پورے ہونے کا جشن منا رہا ہے۔ ہمارے وزیر اعظم نریندر مودی نے بھی اعلان کیا تھا کہ گاندھی جی کا 150 واں یوم ولادت عالمی سطح پر شاندار طریقے سے منایا جائے گا اور پورے سال مختلف پروگراموں کا انعقاد کیا جائے گا۔ ریلوے نے بھی اس سال ان کے یوم ولادت پر کمیونٹی ڈے منانے کا اعلان کیا ہے۔ اس کے تحت 'شرم دان' کیا جائے گا جس میں ریلوے ملازمین صاف صفائی سے متعلق کام کریں گے۔ اس کے علاوہ نیشنل ریل میوزیم میں ایک ہفتے کی خصوصی نمائش 'موہن داس تو مہاتما' کا بھی اہتمام کیا جائے گا۔ یہی نہیں بلکہ بڑے شہروں میں ریلوے ٹریک کے پاس ریلوے کی خالی زمینوں پر 150 چھوٹی نرسریاں بھی قائم کی جائیں گی۔ ساتھ ہی ریلوے کے تمام بڑے دفاتر میں گاندھی جی کے اقوال بھی لکھے جائیں گے۔

دوستو! آپ سب جانتے ہیں کہ گاندھی جیسی شخصیت صدیوں میں پیدا ہوتی ہے اور ہم سب کو اس بات پر فخر ہونا چاہیے کہ مہاتما گاندھی ہندوستان میں پیدا ہوئے اور انھوں نے ملک کو آزاد کرانے کے لیے کیا کیا جتن نہ کیے اور ان کی تعلیمات اور طرز حیات کو پوری دنیا میں تسلیم کیا گیا۔ دنیا کے عظیم رہنماؤں نے گاندھی جی کے فلسفہ اور نظریات کو اپنانے کی کوشش کی اور اپنی کتابوں میں اپنی تقریروں میں حوالے بھی دیے۔ مارٹن لوتھر کنگ (جونیئر) نیلسن منڈیلا، ہوچی منہہ، خان عبدالغفار خان، دلائی لامہ وغیرہ گاندھی جی سے بے حد متاثر تھے اور انھوں نے اپنی زندگی میں گاندھی جی کی تعلیمات سے روشنی پائی تھی۔ البرٹ آئن اسٹائن نے کہا تھا کہ ''آنے والی نسلیں بہت مشکل سے اس بات پر یقین کریں گی کہ گاندھی جیسا انسان گوشت پوست کی شکل میں کبھی اس دنیا میں موجود تھا جس نے غلام ملک کی آزادی کے لیے ایسے طریقے اپنائے جس کے اثرات دنیا میں طویل عرصے تک محسوس کیے جاتے رہیں گے۔''

اسی طرح جارج برناڈ شا نے گاندھیائی فلسفے کے اثرات کو ہمالیائی تاثر سے تشبیہ دی تھی۔ آج ہم اکیسویں صدی میں پہنچ چکے ہیں۔ چاند پر فتح حاصل ہونے والی ہے لیکن کیا ہم نے گاندھی کے عدم تشدد کے اصولوں کو اپنی زندگی میں اپنایا ہے۔ آج ملک میں ایک رسہ کشی اور افراتفری کا ماحول ہے۔ ایسے ماحول میں ہر شہری کی ذمے داری ہے کہ وہ امن وشانتی اور اتحاد و یکجہتی قائم کرنے کی کوشش کرے تاکہ گاندھی جی کی تعلیم پر عمل پیرا ہو کر انھیں سچا خراجِ عقیدت پیش کیا جا سکے۔ ہم یومِ ولادت اور یوم وفات تو مناتے رہیں گے لیکن آج ان کی روح ملک کے حالات دیکھ کر کس قدر بے چین ہو رہی ہوگی اس بارے میں بھی سوچنے کی ضرورت ہے۔ اسی طرح ہمیں اپنے آس پاس صفائی ستھرائی پر بھی توجہ دینی چاہیے۔ گاندھی جی کے نظریات کو ملک میں عام کر کے ہی ہم گاندھی جی کے سپنوں کا ملک تعمیر کر سکتے ہیں۔

'بچوں کی دنیا' کے موجودہ شمارے میں گاندھی جی کے حوالے سے کچھ خصوصی تحریریں دی جا رہی ہیں۔ ساتھ ہی اچھی اچھی کہانیاں اور نظمیں تو ہیں ہی، اب آپ رسالہ پڑھیں اور اپنے تاثرات، مشورے ہمیں ضرور بھیجیں۔ ہم آپ کے مشوروں کا استقبال کرتے ہیں۔

آپ کا

ڈاکٹر شیخ عقیل احمد

ڈاک خانہ

رسالہ 'بچوں کی دنیا' موصول ہو رہا ہے۔ ہر مہینے شدت سے انتظار رہتا ہے۔ خوبصورت دیدہ زیب تصاویر کے ساتھ مختلف موضوعات پر نہ صرف بچوں کی دلچسپ کہانیاں، نظمیں وغیرہ بلکہ بڑوں کے لیے بھی بہت ہی معلوماتی سامان موجود رہتے ہیں جہاں بھی رہتا ہوں پوری کوشش کرتا ہوں کہ یہ رسالہ زیادہ سے زیادہ طلبہ و طالبات تک پہنچے تا کہ اس کے ذریعے بچوں کو اردو دنیا میں لایا جائے۔ میرے بچے ابھی چھوٹے ہیں لیکن رسالہ 'بچوں کی دنیا' سے کافی مانوس ہیں۔

محمد زاہد قادری، کھڑک پورہ آروی شہر مہاراشٹر

'بچوں کی دنیا' مئی 2019 ہمدست ہوا۔ مشن شکتی کی بے پناہ طاقت کے مظاہرے سے بچوں میں جولانی اور حوصلہ مندی کے احساسات پیدا ہوں گے۔ اس شمارے میں معصومیت اور خوبصورتی کی خوبیاں بھی بدرجۂ اتم موجود ہیں جیسے جیسے ورق اُلٹتے جائیں ایسا محسوس ہوگا گویا آپ گلابوں کے تختوں میں گُل گشت کرتے جا رہے ہوں۔ اس کی موجودہ شبیہ نہایت دیدہ زیب ہے۔ اس میں مزید تکّے ٹھنّے بھلے نہیں معلوم ہوں گے۔ خیر۔ اس تازہ شمارے میں کیا نہیں ہے۔ دلچسپ مضامین، جھومتی نظمیں، مزیدار کہانیاں، ہنسی کے فوّارے اور وہ سبھی کچھ جو بسورتے بچوں تک کو مسکراہٹ پر آمادہ کردیں۔ اور کیا درکار ہے؟

مصطفیٰ ندیم خان غوری، روضہ باغ، اورنگ آباد، مہاراشٹر

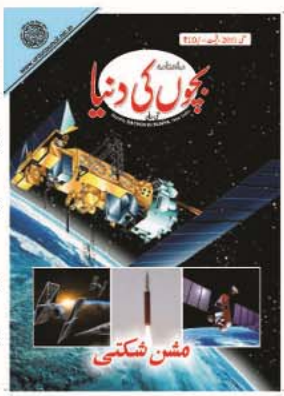

'بچوں کی دنیا' مئی کا شمارہ ملا، قیمتی مضامین کے ساتھ نظمیں بھی لا جواب ہیں، کہانیاں بہت بہتر ہیں، انیس الحسن صدیقی کا مضمون بہت معلوماتی اور معیاری ہے لیکن انٹرنیٹ کی روداد بیان کی گئی ہے، جب کہ یہ بچوں کے رسالہ میں شائع کیا گیا ہے، ایسے مضامین بچوں کے رسالہ کے بجائے اردو دنیا میں چھپیں تو بہتر رہے گا، بچوں کے لیے تو آسان عبارت اور آسان مضمون ہونے چاہئیں۔ میں دیکھتا ہوں کہ اس طرح کے مضمون کو بچے ہاتھ ہی نہیں لگاتے، وہ تو کہانی اور نظمیں تلاش کرتے ہیں، یہی حال کھیل کود کی خبروں کا ہے، بلاوجہ اسے شائع کیا جا رہا ہے، کیا اس کی جگہ کوئی اور معلوماتی مضمون طبع نہیں کیا سکتا؟ میں مانتا ہوں کہ بچوں کو کھیل کود سے دلچسپی ہے، مگر اس طرح کی عالمی خبروں سے انھیں زیادہ سروکار نہیں ہوتا، بلکہ بہت سے بڑے بھی، جنھیں کھیل کود سے لگاؤ نہ ہو، وہ بھی اسے نہیں پڑھنا چاہیں گے۔ انصاف ڈرامہ بہت مختصر ہوتا ہے، البتہ بے وجہ پورے صفحے کی تصویر سے رسالہ بھر دیا جاتا ہے، ایک صفحہ میں صرف چار لائنیں ہے، وہ بھی صفحہ کی نصف لائن؟ آخر ایسا کیوں کیا جاتا ہے؟ اگر ایسا ہی کرنا ہے تو پھر تصویری کہانی شائع کردی جائے۔

محمد عبدالوہاب، مئو، یوپی

ہارون رشید احمد باغبان

مہاتما گاندھی

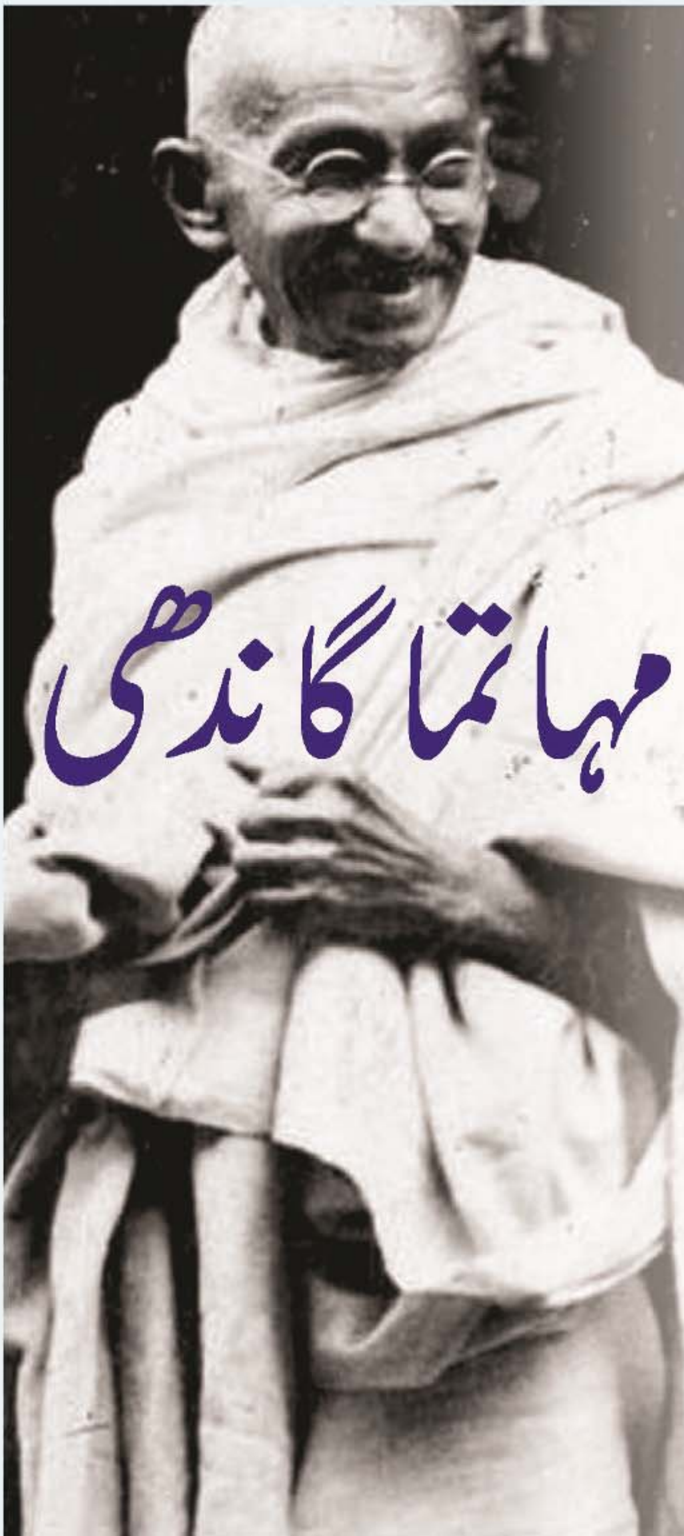

روزِ اول سے آج تک اَن گنت انسان پیدا ہوئے، اپنی زندگی کی میعاد کو پورا کیا اور انتقال کر گئے۔

لیکن،

ایسے کتنے ہیں جنھیں دنیا نے یاد رکھا؟

چند گنتی کے نام ہوں گے جو اپنی بہترین، کار آمد اور نا قابل فراموش خدمات کی بدولت آج بھی کروڑوں لوگوں کے دلوں میں جگہ بنائے ہوئے ہیں۔

اُنھیں میں ایک نام شامل ہے۔ 'موہن داس کرم چند گاندھی' جنھیں پورا بھارت اور دنیا 'مہاتما گاندھی' کے نام سے جانتی ہے۔ مہاتما گاندھی کی پیدائش 2/اکتوبر 1869 کو گجرات کے پور بندر مقام پر ہوئی۔ آپ کے والد کا نام کرم چند گاندھی اور ماں کا نام پتلی بائی تھا۔ مہاتما گاندھی اپنی والدہ سے بے حد متاثر تھے۔ آپ کی شادی فقط 13 سال کی عمر میں کستور بائی ماکھنی کپاڑیا کے ساتھ ہوئی۔ 1887 میں آپ نے میٹرک پاس کیا اور 1888 میں آپ نے سامل داس کالج بھاؤ نگر سے گریجویشن کیا۔ اس کے بعد آپ لندن چلے گئے اور وہاں سے بیرسٹر بن کر لوٹے۔ آپ 1894 میں ایک قانونی تنازعے کے سلسلے میں ساؤتھ افریقہ گئے۔ وہاں ہونے والے ظلم، نا انصافی کے خلاف Disobedience Movement چلایا اور

اس کے مکمل ہونے کے بعد بھارت لوٹ آئے۔ ساؤتھ افریقہ سے گاندھی جی 1916 کو بھارت لوٹے اور پھر ہمارے ملک کی آزادی کے لیے سرگرم ہوئے۔ آپ 1920 میں بال گنگادھر تلک کی وفات کے بعد کانگریس کے رہنما بن گئے۔

خاص بات یہ کہ 1914 سے 1919 کے درمیان جو پہلی عالمی جنگ ہوئی اس میں گاندھی جی نے انگریزی حکومت کو اس شرط پر تعاون کیا تھا کہ وہ اس جنگ کے بعد بھارت کو آزاد کر دیں گے لیکن انگریزوں نے جب ایسا نہیں کیا تو گاندھی جی نے ملک کی آزادی کے لیے کئی تحریکیں چلائیں۔ مثلاً 1920 میں تحریک عدم تعاون، 1930 میں تحریک سول نافرمانی یا نمک ستیہ گرہ/دانڈی یاترا، 1942 میں بھارت چھوڑو تحریک۔ اس کے علاوہ سودیشی تحریک، خلافت تحریک جیسی کئی تحریکوں میں بھی سرگرم رہے۔ آپ نے مختلف آشرم بھی کھولے۔ گاندھی جی سچائی، عدم تشدد اور یک جہتی و بھائی چارے کے لیے زندگی بھر سرگرم رہے۔ آپ جمہوریت کے حامی تھے۔ گاندھی جی نے جتنی بھی تحریکیں چلائیں وہ سب بالکل پر امن طریقے سے چلائیں۔ آپ ایک عظیم لیڈر تو تھے ہی، ساتھ ہی اپنی سماجی زندگی میں بھی سادگی اور اونچے خیالات کو ماننے والے شخص تھے۔

اس خاص صفت کی وجہ سے لوگ انھیں 'مہاتما' یعنی 'عظیم روح' کہنے لگے۔ آپ کی خدمات کے عوض گاندھی جی کو 'راشٹر پتا' کا لقب دیا گیا۔

گاندھی جی نے سماج میں پھیلی بہت ساری برائیوں کو دور کر کے سماج کی اصلاح کی کامیاب کوشش کی۔ آپ چھوت چھات، بچپن کی شادی، ہندو مسلم تفرقہ، ذات پات کے خلاف سرگرم رہے۔ گاندھی جی کی رہبری میں دیگر رہنماؤں کی ملی جلی کوششوں سے ہمارا ملک 15/اگست 1947 کو آزاد ہوا لیکن امن و عدم تشدد کے اس علم بردار کو زیادہ دنوں تک آزاد بھارت کی کھلی ہوا میں سانس لینے کا موقع نہیں ملا اور 30 جنوری 1948 کو ناتھورام گوڈسے نے گولی مار کر ہندوستان کے اس سپوت کو قتل کر دیا۔

■

Dr. Haroon Rasheed Ahmad Baghban
Head Master/Principal
M.A. Pangal A. U. H. S. & Jr. College
Solapur
141/A, Siddheshwar Peth, Solapur (MS)

محمد رفیع انصاری

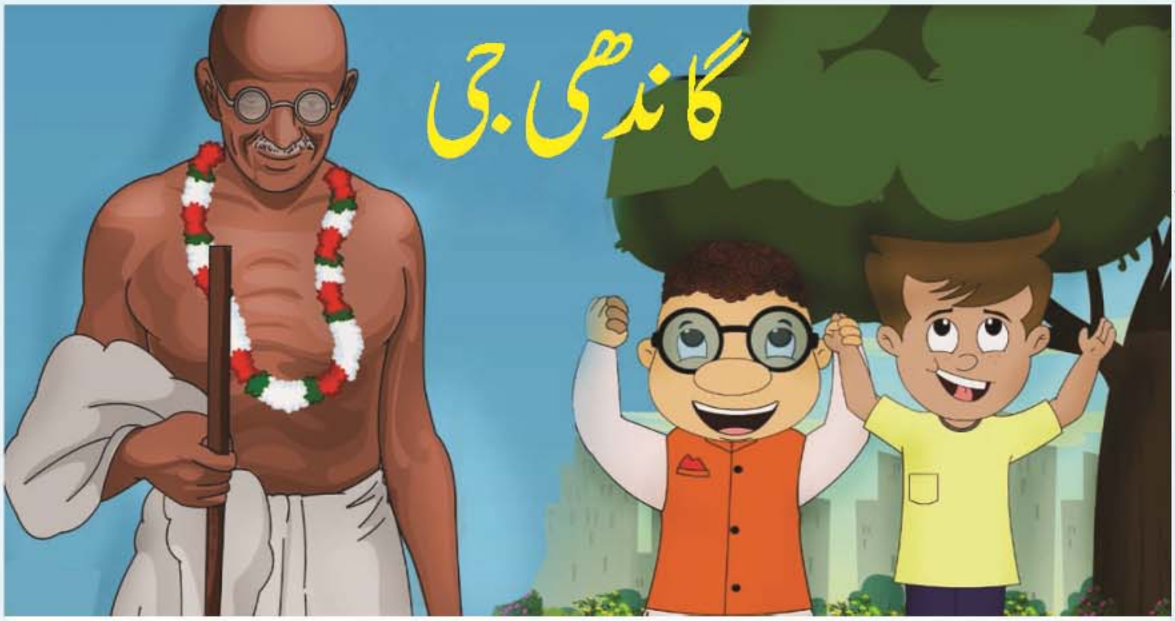

یہ ہیں اپنے گاندھی جی — کتنے سادے گاندھی جی
جنگِ آزادی میں تھے — سب سے آگے گاندھی جی
سب کا غم تھا اُن کا غم — سب کے پیارے گاندھی جی
دشمن تھا چالاک بہت — بھولے بھالے گاندھی جی
گاڑی، گھوڑا، اُس کے پاس — لاٹھی والے گاندھی جی
خوشیاں بانٹا کرتے تھے — آتے جاتے گاندھی جی
گھپ اندھیارے میں بھی تھے — روشن تارے گاندھی جی
بچے ہوں، کہ ہوں بالے — جائیں وارے گاندھی جی
سب کے سکھ سے ہارے تھے — دُکھ کے مارے گاندھی جی
حق میں تھے انسانوں کے — حق کے مارے گاندھی جی
اُن کو پیارا تھا بھارت — جگ کے پیارے گاندھی جی

■

Mohd Rafi Ansari
Al-Madni, 734, Bhoosar Mohalla
Bhiwandi - 421308 (Maharashtra)

میمونہ علی چوگلے

گاندھی

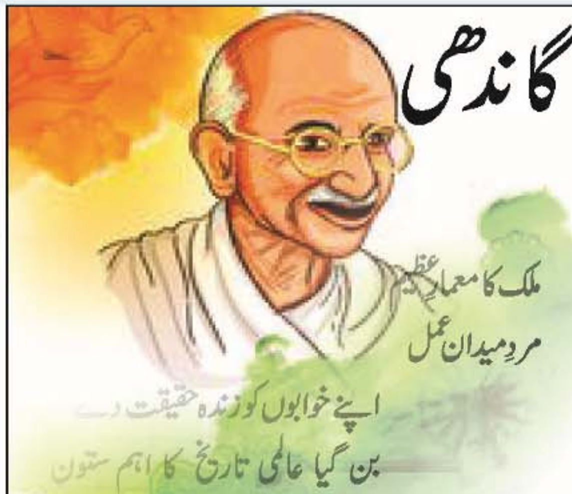

ملک کا معمارِ عظیم
مردِ میدان عمل
اپنے خوابوں کو زندہ حقیقت دے
بن گیا عالمی تاریخ کا اہم ستون

امن و محبت کا دے کر پیغام
غروب ہو کے جو چمکا تو آفتاب بنا
نہ جاہ و حشمتِ حاکم، نہ دولتِ دنیا
عطا ہوا تھا اسے آزادیِ ہند کا غرور
اٹھو کہ آج جشن اُس کا منایا جائے
طوفان تھے راستے میں مخالف تھی ہوا
لے کے چلتا ہی رہا خانماں بربادوں کا
اس کی تعظیم کرو
اس کی تائید کرو
اس کی تقلید کرو
وہ
معمارِ عظیم
مردِ میدان عمل

■

Maimuna Ali Chougle
304 B Pancha Dhara
Panch Marg
Off Yari Road, Versova
Mumbai - 400061 (Maharashtra)

خورشید عالم

سوچھتا ابھیان

آؤ چلائیں مل جل کر ہم سوچھتا کا ابھیان
پاک رہے یہ دھرتی اپنی صاف ہو ہندوستان
مذہب سکھلاتا ہے رہنا بن کے بھائی بھائی
ہر گھر میں شوچالیہ بنے اور ہو صاف صفائی
صاف صفائی رکھنا بھائی آدھا ہے ایمان
آؤ چلائیں مل جل کر ہم سوچھتا کا ابھیان
سوچھتا کا ابھیان چلا کر بڑوں کا کہنا مانو
شوچالیہ پریوگ کرو اور اپنی بھلائی جانو
بیماری کو دور بھگاؤ رکھو پورا دھیان
آؤ چلائیں مل جل کر ہم سوچھتا کا ابھیان
گاؤں گاؤں اسکول کھلے اور شکچھا پائے بچا
تبھی تو باپو نہروجی کا سپنا ہوگا سچا
آگے بڑھے گا دیش ہمارا چمکے ہندوستان
آؤ چلائیں مل جل کر ہم سوچھتا کا ابھیان
ستیہ اہنسا کو اپنا کر پریم کا دیپ جلائیں
ہندو مسلم سکھ عیسائی سب کو گلے لگائیں
ہم بھارت میں بسنے والے سب ہیں ایک سمان
آؤ چلائیں مل جل کر ہم سوچھتا کا بھیان

■

Khursheed Alam
C/O: Mahfooz Alam
Behind Life Line Distributors
Main Road, Ganday, P.O: Ganday
Distt: Gridih-815312 (Jharkhand)

محمد اسداللہ

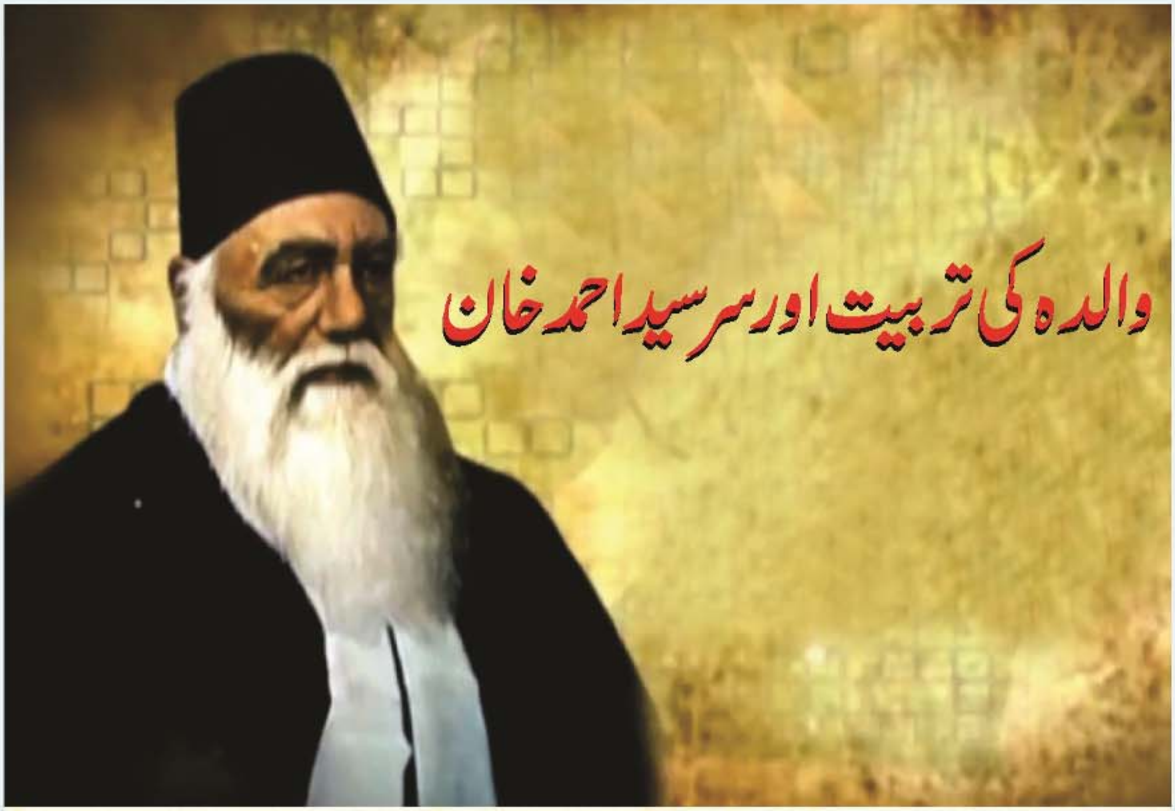

والدہ کی تربیت اور سرسید احمد خان

مراٹھی زبان کی ایک مشہور کہاوت ہے: وہ ماں جس کے ہاتھوں میں پالنے کی ڈور ہے، دنیا کو مصیبتوں سے چھٹکارا دلانے والی ہے۔ سچ ہے دنیا میں ایسے بے شمار انسان گزرے ہیں جنھوں نے انسانیت کی خدمت کرتے ہوئے زبردست کارنامے انجام دیے اور دنیا کو ترقی کی راہ پر آگے بڑھایا۔ ان لوگوں کے حالاتِ زندگی پر نظر ڈالیں تو پتہ چلتا ہے کہ والدہ کی گود ہی ان کا پہلا مدرسہ تھا۔ اسی زمانے کی تربیت نے ان لوگوں میں قابلِ قدر خوبیاں پیدا کیں، تبھی تو وہ زمانے بھر میں مشہور ہوئے۔

ہمارے رہنماؤں میں ایک عظیم شخصیت ہے سر سید احمد خاں کی۔ سر سید مشہور ادیب، مصلح قوم، عالم اور مفسر قرآن بھی تھے۔ سر سید نے جب اپنی قوم کے پچھڑے پن، بدحالی اور پریشانیوں کو دیکھا تو تڑپ اٹھے اور اس سے چھٹکارے کی تدبیریں سوچنے لگے۔ سر سید کی فکر اور بے چینی نے ان کے کئی ساتھیوں کے دلوں میں بھی گھر کر لیا جیسے چراغ سے چراغ جل اٹھتا ہے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ ایک تعلیمی تحریک وجود میں آئی۔

سر سید کا سب سے بڑا کارنامہ یہ ہے کہ انھوں نے مسلمانوں میں علم کا شوق پیدا کیا اور قوم کو ترقی کی راہ پر لا کر کھڑا کیا۔ ان کا قائم کیا ہوا ایک اسکول آج علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کے نام سے جانا جاتا ہے جہاں سے تعلیم حاصل کرنے والے بے شمار لوگ ہندوستان کی جنگِ آزادی میں شریک ہوئے اور ملک آزاد ہونے کے بعد آج تک قوم کے لیے گراں قدر خدمات انجام دے رہے ہیں۔ ہمارے ملک میں مسلمانوں کی ترقی اور فلاح و بہبودی کے کام کرنے والوں کی

تاریخ سرسید کے ذکر کے بغیر کبھی مکمل نہیں ہوسکتی۔ انھیں یہ مرتبہ ان کی والدہ کی تربیت کے سبب ملا۔ الطاف حسین حالی نے سرسید کی سوانح عمری 'حیاتِ جاوید' میں ان کی والدہ کے حالات پر بھی روشنی ڈالی ہے۔

سرسید کی والدہ عزیز النساء بیگم بہت زیادہ تعلیم یافتہ نہ تھیں۔ انھوں نے گھر پر قرآن مجید اور فارسی کی چند کتابیں پڑھی تھیں۔ وہ ایک سمجھ دار اور نیک دل خاتون تھیں۔ اسلامی تعلیمات ان کے اندر اس طرح رچ بس گئی تھیں کہ ان کے رشتے داروں اور جان پہچان والوں میں کبھی کوئی نامناسب کام کرتا نظر آتا تو وہ انھیں سمجھاتیں اور ان کی رہنمائی کرتیں۔

جو کچھ آمدنی ہوتی، اس کا پانچ فی صد حصہ وہ الگ رکھ دیتیں اور اسے نیک کاموں میں خرچ کرتیں۔ انھوں نے اس رقم سے کئی غریب لڑکیوں کے نکاح کروائے، غریب رشتہ داروں اور بیواؤں کی مدد کی۔

وہ اپنی اولاد کی تربیت کرنا بخوبی جانتی تھیں۔ سرسید اپنی والدہ کو سبق سنایا کرتے تھے۔ سرسید اپنی والدہ کے متعلق لکھتے ہیں کہ ان کے پاس ایک لکڑی رکھی رہتی تھی، انھیں غصہ بھی بہت آتا تھا مگر انھوں نے مجھے کبھی مارا نہیں۔

ایک مرتبہ جب سرسید کی عمر گیارہ بارہ برس کی ہوگی، انھوں نے گھر کے ایک بوڑھے نوکر سے کسی بات پر ناراض ہو کر اسے تھپّڑ مار دیا۔ سرسید کی والدہ کو پتہ چلا تو اس بات سے انھیں بہت دکھ ہوا۔ انھوں نے سرسید سے کہا: جب تک تم اس نوکر سے معافی نہیں مانگو گے تمھیں کھانا نہیں ملے گا۔

سرسید معافی مانگنے کے لیے تیار نہیں ہوئے اور اپنی خالہ کے گھر چلے گئے۔ تیسرے دن خالہ سرسید کی والدہ کے گھر آئیں اور سفارش کرنے لگیں کہ بچے کو معاف کر دیں۔ والدہ نے کہا میں ایسے گستاخ لڑکے کو اپنے گھر میں رکھنے کے لیے بالکل تیار نہیں۔ اس سے کہو کہ پہلے نوکر سے معافی مانگے۔ سرسید کی والدہ نے جب ان کی خالہ کی سفارش قبول نہیں کی تو سرسید کو احساس ہوا کہ میں نے نوکر کے ساتھ زیادتی کی ہے۔ والدہ کا سلوک دیکھ کر انھیں نوکر سے معافی مانگنی پڑی۔ تب کہیں انھیں گھر میں آنے کی اجازت دی گئی۔

سرسید جب دہلی میں تھے ان کے پڑوس میں ایک لاوارث بڑھیا رہتی تھی جس کا نام زیبن تھا۔ ایک مرتبہ وہ بیمار ہوئی۔ اس دوران سرسید کی والدہ کو بھی اسی بیماری نے آگھیرا جو اس بڑھیا کو تھی۔ سرسید ایک حکیم صاحب سے دوا تیار کر کے لائے اور اپنی والدہ کو دی۔ ان کی والدہ نے وہ دوا بڑھیا کو دے دی کہ اس غریب کا علاج کون کرے گا۔ کرنا خدا کا یہ ہو

اکہ بغیر دوائی استعمال کیے سر سید کی والدہ اچھی ہوگئیں اور اس بڑھیا کو بھی بیماری سے چھٹکارا مل گیا۔

سر سید جب صدر امین کے عہدے پر فائز تھے تو انھوں نے ایک شخص کی بہت مدد کی اور اسے ایک بڑی مصیبت سے بچایا تھا۔ بجائے اس کے کہ وہ شخص ان کا احسان مانتا اس نے سر سید کے خلاف شرارتیں شروع کردیں۔ سر سید کے خلاف سر کاری دفتر میں شکایتیں بھجوانے لگا۔ کچھ دنوں بعد سر سید کو اس آ دمی کے خلاف وہ سارے ثبوت مل گئے جن سے اسے سزا ہو سکتی تھی۔ اس شخص سے کئی لوگ پریشان تھے، جج بھی اسے سزا دینا چاہتا تھا۔ سر سید نے سوچا کہ بدلہ لینے کا یہ اچھا موقع ہے۔ جب ان کی والدہ کو یہ بات معلوم ہوئی تو انھوں نے سر سید کو سمجھایا۔ بہتر یہ ہے کہ تم اس آدمی کو معاف کردو۔ اگر بدلہ ہی لینا چاہتے ہو تو اس معاملے کو خدا پر چھوڑ دو جو ہر برائی کی سزا دینے والا ہے۔ اپنے دشمنوں کو سرکار سے سزا دلوانا بڑی نادانی ہے۔ والدہ کی اس بات کا سر سید پر ایسا اثر ہوا کہ وہ لکھتے ہیں: اس دن سے مجھ کو اپنے کسی دشمن سے بدلہ لینے کا کبھی خیال تک نہیں آیا۔

■

Mohd Asadullah
30, Gulsitan Colony,
Near Panday Amrai Lane
Nagpur - 440013 (Maharashtra)

Subscription Form "Bachon Ki Duniya"

سالانہ خریداری فارم

میں 'بچوں کی دنیا' کا رکن سالانہ خریدار بننا چاہتا/چاہتی ہوں۔

100 روپے کا ڈرافٹ/منی آرڈر.............................. ......بتاریخ..............................

بنام National Council for Promotion of Urdu Language منسلک ہے۔

میں نے زرتعاون سالانہ -/100 روپے A/C: 90092010045326، IFSC: SYNB0009009

میں جمع کروادیا ہے۔

آپ 'بچوں کی دنیا' ایک سال کے لیے اس پتے پر بھجوائیں:

نام : ....

پتہ : ....

....

....

اس فارم کو درج ذیل پتے پر بھیج دیں:

Sales Department: NCPUL, West Block 8, Wing7, RK Puram, New Delhi - 110066

فون:011-26109746 فیکس:011-26108159, E-mail.:sales@ncpul.in

دستخط

صفدر حسین

خواجہ نظام الدین

ہندوستان کے ایک شہر بدایوں میں 1236 میں ایک لڑکا پیدا ہوا، جس کا نام نظام الدین محمد رکھا گیا۔ یہ وہی ہونہار لڑکا ہے جس کو ہندو پاکستان، عرب، افغانستان اور چین کے لوگ خواجہ نظام الدین اولیا کے نام سے یاد کرتے ہیں۔ آج بھی دہلی میں ان کی درگاہ کے قریب ہی ایک ریلوے اسٹیشن ہے جس کا نام 'نظام الدین' ہے۔

خواجہ نظام الدین کے دادا اور نانا، بخارا کے رہنے والے تھے لیکن وہ لاہور میں بس گئے تھے اوران کے والد مولانا سید احمد بدایوں میں رہتے تھے۔ خواجہ نظام الدین کی پیدائش بدایوں ہی میں ہوئی۔ ان کی والدہ سیدہ زلیخا نیک عورت تھیں۔

یہ بات مشہور ہے کہ خواجہ نظام الدین کے پیدا ہونے کے بعد ان کی والدہ دو روز تک خواب میں ایک آواز سنتی رہیں "بچے کو پسند کرو یا شوہر کو۔"

ابھی خواجہ نظام الدین پانچ برس کے بھی نہ ہونے پائے تھے کہ ان کے والد کا انتقال ہوگیا۔ پھر ماں نے سوت کات کر اپنے بچے کی پرورش کی۔ کئی مرتبہ فاقے بھی ہوجاتے، مگر خواجہ نظام الدین اپنی والدہ سے کوئی شکایت نہ کرتے۔

جس دن گھر میں کھانے کو کچھ نہ ہوتا، ان کی والدہ کہتیں "بابا نظام الدین، آج ہم خدا کے مہمان ہیں۔" یہ بات سن کر بیٹے کو دلی خوشی ہوتی کہ ہم خدا کے مہمان ہیں۔"

بیس برس تک کھینچ تان کر بدایوں میں رہے اور تعلیم پاتے رہے۔ یہاں تعلیم ختم ہوئی تو والدہ کے ساتھ دہلی آئے اور یہاں کچھ عرصہ تک خواجہ شمس الدین نامی ایک بزرگ سے تعلیم حاصل کی۔

ایک دن استاد کے پاس پڑھ رہے تھے کہ ایک شخص آیا

اور بابا فرید الدین گنج شکر کا حال بیان کرنے لگا۔ یہ حال سنتے ہی خواجہ نظام الدین کے دل میں ان سے ملنے کا شوق پیدا ہوا۔ رات دن پیدل چلتے ہوئے وہ بابا فرید الدین گنج شکر کے پاس پہنچے اور ان کے مرید بن گئے۔

ایک عرصہ تک جنگلوں میں عبادت کرتے رہے، پھر اجودھن آ گئے۔ یہاں ہزاروں کی تعداد میں لوگ ان کے مرید ہونے کے لیے آنے لگے اور اس کی وجہ سے عبادت میں ہرج ہونے لگا تو انھوں نے خدا سے دعا مانگی ''یا اللہ، میرے لیے جو جگہ مناسب ہو، بتا۔'' غیب سے آواز آئی ''تیری جگہ غیاث پور ہے۔'' وہ غیاث پور آ گئے لیکن یہاں بھی لوگ جمع ہونے لگے تو پھر جگہ بدلنے کا ارادہ کیا۔

ایک روز حوض کے کنارے بیٹھے قرآن شریف پڑھ رہے تھے، ایک شخص آیا اور اس نے کہا ''اوّل تو مشہور نہ ہونا اور جب مشہور ہوا ہے تو پھر نہیں گھبرانا۔'' اس کے بعد ہی انھوں نے غیاث پور سے کسی دوسری جگہ جانے کا خیال ہی دل سے نکال دیا۔

اب وہ اپنا سارا وقت لوگوں کی خدمت میں گزارنے لگے۔ دن میں روزہ رکھتے اور شام میں تھوڑا سا کھا لیتے۔ جب ان کے خادم کہتے کہ اس قدر کم کھانے سے آپ کمزور ہو جائیں گے تو خواجہ نظام الدین کہتے ''جب اتنے غریب اور فقیر بھوکے پڑے ہیں تو میں کیسے پیٹ بھر کھاؤں؟''

خواجہ نظام الدین کی زندگی بہت تنگی میں بسر ہو رہی تھی۔ ایک دن ایک بڑھیا آئی۔ اسے معلوم تھا کہ خواجہ نظام الدین اور ان کے ساتھی بھوکے ہیں۔ اس بڑھیا کے پاس جو کا آدھ سیر آٹا تھا۔ اس نے وہ خواجہ نظام الدین کے ایک خادم کو دے دیا اور خادم نے اس میں پانی ملا کر پکانا شروع کیا۔ اتنے میں ایک شخص آیا اور کہا ''نظام الدین کچھ کھلاؤ۔'' خواجہ صاحب نے کہا ''کچھ دیر ٹھہر جاؤ، کھانا پک رہا ہے۔'' لیکن وہ کہتا رہا کہ جیسا کچھ بھی ہے اٹھا لاؤ۔ انھوں نے ہانڈی لا کر سامنے رکھ دی۔ اس نے گرم گرم ہی کھانا شروع کر دیا اور کھانے کے بعد ہانڈی بھی پھوڑ ڈالی، اور دعا دے کر چلا گیا۔

اس واقعہ کے بعد سے اگر تھوڑا بھی پکاتے تو ہزاروں کے لیے کافی ہو جاتا اور پھر ہزاروں آدمی روزانہ خواجہ صاحب کے لنگر میں کھانے لگے اور اب تو اتنے مہمان آنے لگے تھے کہ لنگر خانے میں صرف نمک کئی ہزار من خرچ ہوتا تھا۔

جب بادشاہ وقت کو یہ حال معلوم ہوا تو اس نے اپنے قاضی کو حضرت کے پاس بھیجا کہ وہ معلوم کرے، آخر نظام الدین کے پاس اتنی دولت روز کہاں سے آتی ہے؟ بادشاہ کو یہ گمان ہوا کہ اس کے دربار کے لوگ خواجہ نظام الدین کو شاہی خزانے سے روپیہ پیسہ دیتے ہیں۔

خواجہ نظام الدین نے یہ سن کر اپنے خادم خواجہ اقبال سے کہا ''آج سے لنگر خانے کا خرچ دگنا کر دیا جائے۔'' اور ایک طاق کی طرف اشارہ کر کے کہا ''جس چیز کی ضرورت ہو، اس طاق میں ہاتھ ڈال کر لے لیا کرو۔

جب قاضی نے بادشاہ سے بتایا کہ خواجہ نظام الدین کو غیب سے مدد ملتی ہے تو وہ بہت شرمندہ ہوا اور خواجہ نظام الدین کو اپنے دربار میں بلایا۔ خواجہ صاحب نے قاضی سے کہا ''بادشاہ سے کہہ دو، میں ایک فقیر ہوں، کسی بادشاہ سے نہیں ملتا۔''

بادشاہ یہ سن کر آگ بگولہ ہو گیا اور کہا کہ نظام الدین کو

میرا حکم ماننا ہوگا لیکن خواجہ نظام الدین بادشاہ سے ملنے کے لیے نہیں گئے۔ بادشاہ ان کو سزا دینا چاہتا تھا مگر سزا دینے سے پہلے ہی اس کا انتقال ہوگیا۔

خواجہ نظام الدین ہمیشہ لوگوں کو برائی سے روکتے رہے۔ ایک امیر سوداگر خواجہ صاحب کا دشمن ہوگیا تھا۔ ایک روز اس نے شراب پینے کا ارادہ کیا لیکن کیا دیکھتا ہے کہ خواجہ نظام الدین سامنے کھڑے ہیں اور انگلی کے اشارے سے منع کر رہے ہیں۔ سوداگر ان کی طرف بڑھا مگر وہ غائب ہوگئے۔ اس کے بعد سے سوداگر جب کبھی شراب پینے کے لیے ہاتھ بڑھاتا تو خواجہ نظام الدین پھر نظر آنے لگتے۔ یہ حال دیکھ کر سوداگر نے شراب پینی ہی چھوڑ دی اور توبہ کر کے ایک نیک آدمی بن گیا۔

خواجہ نظام الدین کی تعلیم سے بادشاہ سے لے کر غریب تک سب ہی عبادت کے پابند ہوگئے اور لاکھوں انسان ان کے مرید ہوگئے۔

جب کسی کو کسی چیز کی ضرورت ہوتی تو وہ خواجہ نظام الدین کے پاس چلا آتا اور خدا کے حکم سے اس کا کام بن جاتا۔

ایک مرتبہ خواجہ نظام الدین کے ایک مرید نے ان کی دعوت کی۔ عین وقت پر زیادہ مہمان آگئے۔ کھانا تھوڑا تھا۔ مرید گھبرا گیا تو خواجہ نظام الدین نے خادم سے کہا ''ہر ایک روٹی کے چار چار ٹکڑے کر کے چادر سے ڈھانک دو، اور اس میں سے نکال کر سب کو تقسیم کرنا شروع کردو۔'' خدا نے اس روٹی میں ایسی برکت دی کہ پچاس آدمی کا کھانا کئی سو کے لیے کافی ہوگیا اور اس چادر میں سے جتنی روٹیاں نکالی جاتیں، پھر اتنی ہی زیادہ ہوجاتیں۔

خواجہ نظام الدین سب کو خدا پر بھروسہ کرنے کی تعلیم دیتے تھے۔ وہ کہتے تھے کہ کچھ ملے تو جمع نہ کرنا، نہ ملے تو فکر نہ کرنا۔ خدا ضرور دے گا۔ کسی کی برائی نہ کرنا۔ کبھی قرض نہ لینا اور کسی سے برائی کا بدلہ نہ لینا۔ بادشاہ ہو کہ فقیر ان کی نظر میں سب برابر ہیں۔

وہ آخری وقت تک غریبوں کی مدد کرتے رہے۔ اپنا سارا وقت خدا کی یاد میں اور عبادت میں گزارتے۔ ہر رات اپنے کمرے کا دروازہ اندر سے بند کر لیتے اور تمام رات عبادت کرتے رہتے۔ جب صبح دروازہ کھولتے تو رات بھر جاگنے کی وجہ سے ان کی آنکھیں لال ہوجاتی تھیں۔

کہتے ہیں، خواجہ نظام الدین نے مرنے سے چالیس روز پہلے ہی سے کھانا پینا بالکل چھوڑ دیا تھا اور جب ان کے مرنے کا وقت قریب آیا تو انھوں نے اپنے خادم خواجہ اقبال کو بلا کر کہا کہ جو کچھ مال گھر میں ہے سب غریبوں میں تقسیم کردو۔'' خواجہ اقبال نے کہا ''روزانہ جو کچھ آتا ہے اسی دن خرچ ہوجاتا ہے۔ البتہ کچھ اناج لنگر خانے میں ہے، پکانے کے لیے رکھا ہے۔'' آپ نے کہا ''لنگر بھی تو غریبوں ہی کے لیے ہے۔'' غرض ان کے حکم سے اسی وقت سارا غلہ غریبوں میں تقسیم کردیا گیا۔

خواجہ نظام الدین کی کمزوری بڑھتی ہی گئی۔ کمزوری کی حالت میں وہ اکثر بے ہوش ہوجاتے تھے۔ آخر 94 برس کی عمر میں 1324 میں انتقال کر گئے اور ساری دنیا کو سچائی اور نیکی کا سبق دے گئے۔

■

ماخذ: ہندوستان کی بزرگ ہستیاں، **مصنف:** صفدر حسین، **سنہ اشاعت:** 1988، **ناشر:** قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان، نئی دہلی

اپٹون سنگلیر

اس کی کتابیں دنیا کی اتنی زبانوں میں ترجمہ ہو چکی ہیں کہ ان میں سے اکثر کے نام اسے خود بھی نہیں آتے۔

اپٹون سنگلیر نے پانچ سو سے زیادہ پمفلٹس اور اڑتالیس کتابیں لکھی ہیں۔ اس کی کتابوں کی تیس لاکھ جلدیں روس میں جبکہ بیس لاکھ جلدیں جرمنی میں فروخت کی جا چکی ہیں۔ اس کے اصلاح پر مبنی ناولوں نے روس کے انقلاب میں مدد کی ہے حالانکہ وہ ایک امریکن تھا، لیکن بجائے امریکہ کے اس کی کتب یورپ میں زیادہ مقبول ہیں۔ میں ایک روز فرنچ ریویرا میں ایک بک اسٹال پر گیا۔ وہاں میں نے دیکھا کہ اپٹون سنگلیر کی کتابیں دوسرے تمام امریکی اور انگریز ادیبوں سے زیادہ ہیں۔ چوالیس زبانوں میں اس کی کتابوں کا ترجمہ کیا جا چکا ہے۔ اپٹون سنگلیر نے ایک مرتبہ مجھے بتایا کہ ان میں سے کئی زبانوں سے وہ خود بھی ناواقف تھا اور اسے یہ بھی پتہ نہیں تھا کہ وہ زبانیں کن ملکوں کی ہیں۔

سنگلیر نے سولہ سال کی عمر میں لکھنا شروع کیا تھا اور ساٹھ سال کی عمر تک وہ مسلسل لکھتا رہا۔ اس نے لاکھوں کی تعداد میں صفحات لکھے ہیں۔ اس نے اتنے زیادہ الفاظ رقم کیے ہیں کہ اگر پرانی اور نئی دونوں بائبلوں کو ملایا جائے تو ان سے بھی اس کے الفاظ زیادہ ہیں۔

اپٹون سنگلیر کے سامنے ایک واضح مقصد تھا۔ وہ دنیا سے افلاس کے خاتمے کا خواہشمند تھا، کیونکہ اسے تجربہ تھا کہ مفلسی کس قدر بے رحم ہوتی ہے۔ اس نے مجھے بتایا کہ وہ ایک ایسے دور سے بھی گزر چکا ہے کہ جس میں وہ مسلسل چھ سال تک مفلسی کا شکار رہا۔

اس کا باپ شراب بیچتا تھا اور خود بھی بہت بڑا شرابی تھا۔ جب وہ لڑکا تھا تو اپنے باپ کی تلاش میں ایک سے دوسرے شراب خانے میں گھومتا اور پھر اپنے شرابی باپ کو کسی شراب خانے سے اپنے بازوؤں کے سہارے آہستہ آہستہ گھر لا کر اسے اس کے بستر پر لٹا دیتا۔ اس کی ماں اپنے شرابی شوہر کی جیبوں کو ٹٹولتی اور تمام نقدی نکال کر چھپا لیتی تاکہ اگلے روز اس نقدی سے کھانا وغیرہ پکا سکے۔ وہ اتنے غریب تھے کہ ٹوٹے پھوٹے اور اندھیرے مکانوں میں رہتے تھے اور مسلسل مکان تبدیل کرتے رہتے تھے، کیونکہ وہ مکان کا کرایہ نہیں دے پاتے تھے۔ اپٹون سنگلیر بڑا ہوا تو شراب کا سخت مخالف ہو گیا۔ وہ گھنٹوں شراب کے خلاف لیکچر دیتا رہتا۔ سنگلیر پر اپنے باپ کی زندگی کا یہ اثر ہوا کہ وہ بڑا ہو کر چائے تک نہ پیتا تھا اور نہ ہی کبھی اس نے سگریٹ کو ہاتھ لگایا تھا۔

دس سال کی عمر سے قبل اسے اسکول جانے کا موقع نہ مل سکا۔ پڑھنا اس نے خود ہی سیکھا تھا، اسکول جاننے سے قبل اس نے بہت سارے مشہور انگریزی ناول نگاروں کے کئی ناول پڑھ ڈالے تھے اور اسی طرح اس نے انسائیکلو پیڈیا کا ایک حصہ بھی یاد کر لیا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ اس نے ہائی اسکول کی تعلیم دو

سال میں ختم کر لی۔

جب وہ کالج میں داخل ہوا تو اس کے پاس ایک دھیلا بھی نہ تھا۔ اس کی ماں اس کے ساتھ رہتی تھی اور اس کا سارا خرچہ سنکلیر ہی اٹھاتا تھا۔ چنانچہ اس نے سات قسم کے مختلف رسالوں کے لیے ناول اور کہانیاں لکھنی شروع کر دیں۔ اس طرح وہ اپنے اور کالج کے اخراجات پورے کرنے لگا۔ ہر رات وہ ایک کہانی یا ناول کا ایک باب لکھتا۔ وہ دو ناول ایک ماہ میں مکمل کر لیتا۔ علاوہ ازیں اسے یونیورسٹی میں آٹھ گھنٹے تعلیم بھی حاصل کرنا ہوتی تھی۔ یہ کام آسان نہیں تھا۔ لاکھوں آدمیوں میں سے صرف ایک دو ہی اس قدر کام کر سکتے ہیں۔

کالج سے فارغ ہونے کے بعد وہ بچوں کے رسالوں کے لیے مختلف قسم کی کہانیاں لکھ کر چودہ پونڈ فی ہفتہ کمانے لگا۔ اس وقت وہ بیس سال سے کم عمر کا تھا اور یہ آمدنی اس کے لیے ضرورت سے زیادہ تھی لیکن اپٹون سنکلیر پیسوں کے لیے کہانیاں اور ناول نہیں لکھتا تھا۔ اس کے اندر ایک شدید جذبہ تھا۔ وہ ناانصافی اور مفلسی کو مٹا دینا چاہتا تھا۔ اپنے اسی جذبے کے تحت وہ اپنی بیمار بیوی، بیمار بچے، اور ساری آمدنی چھوڑ کر نیوجرسی چلا گیا اور وہاں ایک خیمہ لگا کر مفلسی اور ناانصافی کے خلاف پروپیگنڈا ناول لکھنے لگا۔ ایسے ناول جو دنیا کی اصلاح کر دیں۔ وہ وہاں پانچ سال رہا اور اس عرصے میں اس نے پانچ ناول لکھے۔ ان پانچ ناولوں سے اس نے پانچ سال میں صرف دو سو پونڈ کمائے۔ بالفاظ دیگر چالیس پونڈ سالانہ۔

وہ اکثر مسلسل بھوکا رہا۔ ایک دن اس کی بیوی دکان سے ایک میز پوش خرید لائی۔ لیکن جب اسے اس کی فضول خرچی کا پتہ چلا تو اس نے اسے میز پوش فوراً واپس کرنے کے لیے کہا۔ وہ میز پوش ڈھائی شلنگ کا تھا۔ ان ڈھائی شلنگ سے دو دن کا کھانا بخوبی چل سکتا تھا۔

اس کے چھٹے ناول کا نام 'جنگل' تھا۔ اس ناول نے ایک سنسنی پیدا کر دی اور اسے اس کا چھ ہزار پونڈ معاوضہ ملا مگر اس نے یہ سارا پیسہ نیوجرسی میں دریائے ہڈسن کے کنارے ایک ایسی بستی کی تعمیر پر صرف کر دیا جو ادیبوں، آرٹسٹوں اور موسیقاروں کے لیے مخصوص تھی اور جہاں ان کو اشیائے ضرورت سستی مل سکتی تھیں۔ سنکلیر کو اگر کسی چیز کی ضرورت ہوتی تو وہ اس کے پیچھے اس طرح بھاگتا جیسے بلی کے پیچھے کتا بھاگتا ہے۔ مثلاً ایک دفعہ اس نے وائلن سیکھنے کا ارادہ کیا۔ وہ روزانہ آٹھ گھنٹے وائلن بجاتا اور تین سال مسلسل بجاتا رہا۔ جب اس کے ہمسایوں نے اعتراض کیا تو وہ اپنے وائلن کے ساتھ جنگل میں چلا گیا اور وہاں پرندوں اور چوپایوں کے سامنے پورا پورا دن وائلن بجاتا۔

اپٹون سنکلیر نے مجھے بتایا کہ وہ چار دفعہ قید کیا جا چکا ہے۔ پہلی دفعہ اس جرم میں اسے اٹھارہ گھنٹے قید کیا گیا کہ وہ اتوار کے روز ٹینس کھیل رہا تھا۔ دوسری دفعہ اسے تین دن تک اسے لیے قید رکھا گیا کہ وہ نیویارک میں جون ڈی۔ راک فیلر کے دفتر کے سامنے خاموشی سے گھوم رہا تھا۔ تیسری مرتبہ اسے اس وجہ سے قید کیا گیا کہ اس نے بائبل کی ایک کاپی ایک سپاہی کو فروخت کی تھی۔ چوتھی دفعہ قید کیے جانے کی وجہ یہ تھی کہ وہ ریاست ہائے متحدہ امریکہ کا دستور ایک باغ میں اس کے مالک کی اجازت کے بغیر پڑھ رہا تھا۔

■

بحوالہ: مانیں نہ مانیں، ڈیل کارنیگی

حارث حمزہ لون

نوبل انعام اور ہندوستانی شخصیات

پدم شری، پدم بھوشن اور بھارت رتن جیسے اعزاز کسی بھی ہندستانی شہری کو، زندگی کے کسی خاص شعبے میں اس کی نمایاں خدمات کے صلے میں پیش کیے جاتے ہیں۔ 'بھارت رتن' ہندوستانی کا اعلیٰ ترین اعزاز اور خطاب ہے۔ لیکن نوبل انعام ایک بین الاقوامی انعام ہے۔ یہ دنیا کے کسی بھی شخص یا ادارے کو زندگی کے کسی میدان میں نمایاں خدمات کے لیے عطا کیا جاتا ہے۔ نوبل انعام، ایک غیر سرکاری تنظیم، نوبل فاؤنڈیشن کی جانب سے پیش کیا جاتا ہے۔ یہ فاؤنڈیشن ایک بین الاقوامی ادارہ ہے جو سویڈن میں قائم ہے۔ یہ ادارہ دنیا کی تمام حکومتوں کی طرف سے تسلیم شدہ ہے۔

نوبل فاؤنڈیشن انعام کے جاری کرنے والے مشہور سائنسداں ڈاکٹر ایلفرڈ نوبل تھے۔ انھیں کے نام پر یہ انعام نوبل پرائز کہلاتا ہے جو دنیا کا سب سے بڑا اعزاز ہے۔ نوبل انعام ہر سال مختلف شعبوں امن، ادب، طبیعیات، کیمیا، ادویات، معاشیات اور اقتصادیات میں نمایاں کارناموں پر دیے جاتے ہیں۔ جو لوگ ادب میں کوئی بہت ہی اہم کتاب لکھتے ہیں، سائنس یا اقتصادیات کے میدان میں کوئی نمایاں کام کرتے ہیں یا دنیا میں امن وامان قائم کرنے کے سلسلے میں کوئی بڑی خدمت انجام دیتے ہیں، وہ نوبل انعام حاصل کرتے ہیں۔ اس انعام کی رقم لگ بھگ پندرہ لاکھ روپے ہوتی ہے۔

نوبل انعام کو قائم کرنے والے الفرڈ نوبل سویڈن کے رہنے والے تھے۔ اُن کی پیدائش سویڈن کی راجدھانی اسٹاک ہوم میں 21/اکتوبر 1833 کو ہوئی۔ 1896 میں 63 سال کی عمر میں اُن کا انتقال ہوگیا۔ الفرڈ کے والد ایک تجارت پیشہ شخص تھے جو الفرڈ کی پیدائش کے وقت دیوالیہ ہوگئے تھے۔ یوں تو وہ بہت پڑھے لکھے اور ذہین تھے مگر تجارت کا کوئی تجربہ نہ ہونے کی وجہ سے رہی سہی پونجی سے بھی ہاتھ دھو بیٹھے۔ الفرڈ نوبل نو برس کے ہوئے تو اُن کے گھر والے غریبی سے تنگ آکر وطن چھوڑنے پر مجبور ہوگئے۔ وہ سینٹ پیٹرز برگ چلے گئے۔ یہ شہر اُس زمانے میں روس کا دارالسلطنت تھا۔ کچھ عرصے تک الفرڈ نوبل کی تعلیم گھر پر ہی ہوتی رہی۔ جب گھر کے مالی حالات اچھے ہوگئے تو وہ باقاعدہ تعلیم حاصل کرنے کے لیے باہر گئے۔ انھوں نے یورپ بھر کا دورہ کیا اور کئی زبانیں

سیکھیں۔ اب وہ اپنے والد کے ساتھ سائنس کے تجربات کرنے میں وقت گزارنے لگے۔ ڈائنا مائیٹ، نائیٹرو گلیسرین، جیلاٹین، بیالسٹائٹ جیسی چیزیں نوبل کی ایجادات میں شامل ہیں جن کا استعمال کان کنی اور پتھروں کو توڑنے پھوڑنے کے لیے کیا جاتا ہے۔ نوبل کو ادب اور شاعری سے بھی دلچسپی تھی۔ 29/سال کی عمر میں جب وہ انجینئرنگ اور علم کیمیا میں ماہر ہوگئے تو انھوں نے 'نائٹرو گلیسرین' (Nitroglycerine) دریافت کی۔ 'نائٹروگلیسرین' کی ملاوٹ سے انھوں نے 1867 میں 'ڈائنامائٹ' ایجاد کیا۔ 'ڈائنامائٹ' ایک قسم کا بارود ہے جس کی ذرا سی مقدار بڑے سے بڑے پہاڑ کو منٹوں میں اُڑا سکتی ہے۔ خود الفرڈ کے چھوٹے بھائی کی موت ڈائنامائٹ کا گولا پھٹنے سے ہوئی تھی۔ ایسی خطرناک چیز کو ایک جگہ سے دوسری جگہ لے جانا بے حد مشکل تھا لیکن الفرڈ نے وہ ترکیب بھی ڈھونڈ نکالی جس سے اس کو ایک جگہ سے دوسری جگہ حفاظت کے ساتھ لے جایا جاسکے۔

الفرڈ نے ڈائنامائٹ کی ایجاد اس لیے نہیں کی تھی کہ کہیں اُسے جنگ کے لیے استعمال کیا جائے اور انسانی بستیوں کو تباہ و برباد کیا جائے۔ اس ایجاد سے اُن کا مقصد یہ تھا کہ پہاڑوں اور چٹانوں کو توڑ کر پتھر مہیا کیے جائیں اور کانوں سے دھاتیں برآمد کی جائیں۔ الفرڈ نوبل کو جنگ سے بے حد نفرت تھی۔ اُن کی دلی خواہش تھی کہ دنیا کی تمام قومیں آپس میں امن و صلح کے ساتھ رہیں۔ اسی لیے ہر سال 'امن انعام' اُس شخص کو دیا جاتا ہے، جو دنیا میں امن قائم کرنے کے لیے کوئی غیر معمولی کارنامہ انجام دے۔

الفرڈ نوبل بہت محنتی تھے۔ وہ رات دن کام میں لگے رہتے تھے۔ انھوں نے اپنی محنت سے بہت دولت حاصل کی۔ وہ بہت فراخ دل بھی تھے۔ انھوں نے اپنے ملازموں اور مزدوروں کے رہنے کے لیے اچھے ہوا دار مکان بنوائے اور اپنے منافع میں کام کرنے والوں کو بھی شریک کیا۔ الفرڈ ایک لڑکی سے شادی کرنا چاہتے تھے، مگر اُس کا انتقال ہوگیا۔ اس سانحے کے بعد اُنھوں نے اپنی ساری دولت نیک کاموں کے لیے وقف کر دی۔ انھوں نے تمام عمر شادی نہیں کی اور یہ وصیت کی کہ اُن کی آمدنی سے ہر سال انعامات دیے جائیں۔ لہٰذا اُن کی وصیت کے مطابق ہر سال دنیا کے بڑے بڑے سائنس دانوں، ادیبوں، ماہرین اقتصادیات اور امن کے لیے کام کرنے والوں کو یہ انعامات دیے جاتے ہیں۔

غرض نوبل انعام فزکس، کیمسٹری، میڈیسن، ادب، امن، معاشیات اور لیڈر شپ کے لیے دیا جاتا ہے۔ 10/دسمبر 1901 کو الفرڈ برنارڈ نوبل کی پانچویں برسی کے موقعے پر پہلی دفعہ یہ انعام دیا گیا۔ تب سے ہر سال 10/دسمبر کو یہ انعامات پیش کیے جاتے ہیں۔ یہ تمام انعامات اسٹاک ہوم میں ایک تہنیتی جلسے میں پیش کیے جاتے ہیں لیکن امن کے

لیے یہ انعام اوسلو میں پیش کیا جاتا ہے۔ نوبل انعام میں ایک گولڈ میڈل، توصیف نامہ جس میں اس شخص یا ادارے کی خدمات کا ذکر کیا جاتا ہے اور فاؤنڈیشن کی آمدنی کے مطابق نقد رقم سے نوازا جاتا ہے۔ یہ انعام پانے والوں کو نوبل لاریٹ (Nobel Laureate) کے خطاب سے یاد رکھا جاتا ہے۔

رابندر ناتھ ٹیگور کو ادب کا نوبل انعام 1913 میں اُن کی کتاب 'گیتا نجلی' پر ملا تھا۔ ہمارے سائنس دانوں میں یہ انعام سی۔ وی۔ رمن کو طبیعیات میں ملا تھا۔ اُن کے علاوہ دو اور سائنس دانوں ڈاکٹر ہر گوبند کھورانہ اور ڈاکٹر چندر شیکھر کو بھی نمایاں کام کرنے پر یہ انعام دیا گیا۔ مدر ٹریسا جنھوں نے ہندوستان میں معذور بچوں اور کوڑھ کے مریضوں کی خدمت کے لیے اپنی زندگی وقف کردی تھی، اُن کو بھی نوبل پرائز دیا گیا۔ ڈاکٹر سبرامنین چندر شیکھر کو 1983 میں طبیعیات میں ان کے کام "Evolution of Stars" کے لیے نوبل انعام دیا گیا۔ اس کے چچا چندر شیکھر وینکٹ رامن کو 1930 میں طبیعیات کا نوبل انعام مل چکا تھا۔ 1998 میں اقتصادیات کے شعبے میں ہندوستان کے امرتیہ سین کو نوبل انعام دیا گیا۔ کیلاش ستیارتھی نے حقوق اطفال کے لیے ایک تنظیم 'بچپن بچاؤ آندولن' کے نام سے قائم کی جس پر انھیں 2014 میں نوبل انعام سے نوازا گیا۔

ہندوستان کی جن شخصیات نے یہ انعام حاصل کیا ہے وہ اس طرح ہیں:

1۔ رابندر ناتھ ٹیگور (7 مئی 1861 ۔ 17 اگست 1941):
ٹیگور بہ حیثیت شاعر، ناول نگار، فلاسفر، آرٹسٹ اور ماہرِ تعلیم ممتاز ہیں۔ ہمارا قومی ترانہ (جنا گنا منا) انھیں کا لکھا ہوا ہے۔ اس لیے انھیں ہندوستان کی تاریخ میں کبھی بھلایا نہیں جاسکتا۔ انھیں ان کی مشہور کتاب 'گیتا نجلی' کے لیے 1913 میں نوبل انعام سے نوازا گیا۔ یہ گیتوں کا مجموعہ ہے جس میں کل 103 نظمیں ہیں۔ یہ دراصل بنگالی زبان میں لکھی گئی۔ پھر بعد میں خود ہی اس کا ترجمہ انگریزی زبان میں کیا۔ ٹیگور ہندوستان کے پہلے شخص تھے جنھیں یہ انعام ملا۔

2۔ سر۔سی۔وی۔رمن : (7/نومبر 1888 ۔ 21 نومبر 1970)
سی۔ وی۔ رمن متحدہ ہندوستان اور بھارت کے طبیعیات دان تھے، جنھیں یہ انعام 'رمن ایفکٹ' برائے طبیعیات کے لیے 1930 میں دیا گیا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ انھوں نے روشنی کے منتشر ہوجانے کی تھیوری پیش کی تھی جسے بعد میں انھیں کے نام سے جانا جانے لگا۔ سی۔ وی۔ رمن ہندوستان کے پہلے سائنس داں ہیں جنھیں نوبل انعام سے نوازا گیا۔ انھیں یہ انعام 'رمن ایفکٹ' کے لیے 1930 میں دیا گیا۔ سر۔سی۔وی۔رمن 1934 میں انڈین انسٹی ٹیوٹ آف سائنس (Indian Institute Of science) بنگلور کے ڈائرکٹر رہے۔ انھوں نے 1948 میں ایک ریسرچ انسٹی ٹیوٹ قائم کیا جو آج رمن ریسرچ انسٹی ٹیوٹ کے نام سے

مشہور ہے۔ ان کی خدمات کو دیکھتے ہوئے ہندوستانی حکومت نے انھیں 1954 میں ہندوستان کے سب سے اعلیٰ اعزاز 'بھارت رتن' سے سرفراز کیا۔

3۔ ہرگوبند کھورانہ (9 جنوری 1922۔ 9 نومبر 2011): ہرگوبند کھورانہ کی پیدائش رائے پور (موجودہ پاکستان کا حصہ) میں ہوئی۔ انھوں نے ڈاکٹریٹ کی ڈگری لیور پول یونیورسٹی سے حاصل کی۔ سائنس کی دنیا میں ان کا اصل کام جینس (Genes) پر تحقیق ہے۔ اسی تحقیق کی بنیاد پر انھیں 1968 میں میڈیسن میں کارہائے نمایاں انجام دینے کے لیے مارشل ڈبلیو نیرن برگ اور رابرٹ ڈبلیو ہوسے کے ساتھ نوبل انعام دیا گیا۔ اس کے علاوہ 1969 میں انھیں پدم بھوشن سائنس و انجینئرنگ اعزاز بھی ملا تھا۔

4۔ مدر ٹریسا (26 اگست 1910۔ 5 ستمبر 1997): خود کو خدمت خلق کے لیے وقف کر دینے والی مدر ٹریسا کو انسانیت کی بہبودی کی خدمات کے صلہ میں 1979 میں نوبل انعام سے نوازا گیا۔ انھوں نے اپنی زندگی غریبوں، ناداروں اور بےکسوں کی خدمت کے لیے وقف کر دی تھی اور وہ کلکتہ میں ساٹھ برس تک غریبوں و بیماروں کی دیکھ بھال کرتی رہیں۔

مدر ٹریسا ایک ایسا نام ہے جسے ہندوستان کی تاریخ میں کبھی بھلایا نہیں جا سکتا۔ نوبل انعام کے علاوہ انھوں نے 1971 میں Pop John XXII Peace Price، 1973 میں Templetor Price، 1985 میں Presidential Medal of Freedom، 1996 میں Honorary Citizen of the United State جیسے اعزازات اور خطابات پائے۔ مدر ٹریسا کو 'انجیل آف مرسی' (Angel of Mercy) کہا جاتا ہے۔

5۔ ڈاکٹر سبرامنین چندر شیکھر (19/ اکتوبر 1910۔ 21 اگست 1995): ڈاکٹر ایس چندر شیکھر 19 اکتوبر 1910 کو لاہور میں پیدا ہوئے۔ پریسڈینسی کالج، مدراس سے 1930 میں B.Sc کی ڈگری حاصل کی۔ اس کے بعد حکومتِ ہند کی طرف سے اسکالرشپ حاصل کر کے پوسٹ گریجویٹ کی ڈگری کیمبرج یونیورسٹی سے 1933 میں حاصل کی۔ پھر شکاگو یونیورسٹی کے Research Associate رہے۔ انھیں اپنے استاد ولیم۔ اے۔ فاؤل کے ساتھ 1983 میں فزکس میں ان کے ورک "Evolution of Stars" کے لیے نوبل انعام دیا گیا۔ اس کے چچا چندر شیکھر وینکٹ رامن کو 1930 میں طبیعیات کا نوبل انعام مل چکا تھا۔

6۔ ڈاکٹر امرتیا سین (3/ نومبر 1933): ڈاکٹر امرتیا سین کی پیدائش شانتی نکیتن، مغربی بنگال میں ہوئی۔ ابتدائی تعلیم لکھنؤ سے حاصل کی۔ 1972 میں North Carolina State University, USA سے انڈسٹریل انجینئرنگ اور معاشیات میں بھی Ph.D کی۔ امرتیا سین نے قحط کی وجوہات، اس کے سد باب یا اس کے اثرات کو کم تر کرنے،

خوراک کی حقیقی قلت یا جعلی بحران سے متعلق امور پر تحقیق کی اور عملی حل پیش کیے۔ انھوں نے اقوام متحدہ کے شمارے برائے انسانی ترقی United Nations Human development Index کی تیاری میں اہم کردار نبھایا۔ ان دنوں پروفیسر امرتیہ سین لندن کی ہارورڈ یونیورسٹی میں اقتصادیات اور فلسفے کے مضامین پڑھاتے ہیں۔ وہ غربت کے بنیادی اسباب پر کی گئی اپنی تحقیق کے حوالے سے اقتصادیات کا نوبل انعام اپنے نام کر چکے ہیں۔ انھیں 1998 میں اقتصادیات کے شعبے میں نوبل انعام دیا گیا تھا اور اب انھیں انسانیت کی خدمت کے زمرے میں امریکہ کا نیشنل میڈل دیا گیا ہے۔ اس کے علاوہ حکومت ہند نے انھیں 2001 میں پدم بھوشن ایوارڈ سے نوازا۔

7۔ کیلاش ستیارتھی (11 جنوری 1954 پیدائش): کیلاش ستیارتھی حقوق اطفال کے ایک بھارتی کارکن جنھیں 2014 میں نوبل انعام برائے امن دیا گیا ہے۔ وہ بچہ مزدوری کے خلاف بھارتی مہم میں 1990 کی دہائی سے ہی سرگرم ہیں۔ کیلاش ستیارتھی نے حقوق اطفال کے لیے ایک تنظیم 'بچپن بچاؤ آندولن' کے نام سے قائم کی۔ اس تنظیم نے تقریباً 80 ہزار بچہ مزدوروں کو اب تک مزدوری سے ہٹا کر ان کی تعلیم کے بندوبست میں مدد کی۔ یہ نوبل انعام پاکستانی ملالہ یوسف اور کیلاش ستیارتھی کو مشترکہ طور پر دیا گیا۔ اس کے علاوہ کیلاش ستیارتھی کو 2015 میں 'سال کا انسانیت پسند' کے انعام سے بھی نوازا گیا۔

■

Haris Hamzah Lone
R/O: Rehmatabad Rafiabad Baramulla
District: Baramulla, Tehsil: watergam , J&K

جوابات

دوست نوازی

مناظر عاشق ہرگانوی

پیارے پاپا، پاپا پیارے
آپ ہمارے دیجیے روپے
عیدی جو اس سال ملی تھی
وہ سب دو ہزار ہوئی تھی
آپ وہ دو ہزار ہمارے
آج ہمیں لوٹا بھی دیجے
ایک ضروری کام ہے کرنا
خالی دامن اک ہے بھرنا
سن کر اس کے پاپا بولے
کیا کیجیے گا اتنے پیسے؟
آپ کو ہے گر کوئی ضرورت
پوری کریں گے ہم وہ حاجت”
انور بولا تب پاپا سے
وعدہ کیجیے ہم سے پہلے
ہم کو جو بھی کام ہے کرنا
روکیے گا مت اس سے پاپا
سن کے خفا مت ہوئیے گا بھی
ہم کو خوشی اس کام سے ہوگی
مفلس اور نادار سا لڑکا
ساتھی ہے جو ایک ہمارا
اس کو نہیں ہیں اتنے پیسے
اپنی کتابیں سب وہ خریدے
اس کو اپنے گھر ہے بلایا
بک سنٹر پر لے کر جانا
میں ہی خریدوں گا بک اس کی
پاپا ہے نا بات یہ اچھی؟
خوش ہوکر تب بولے پاپا
کام کیا ہے آپ نے ایسا
پائیں گے اللہ سے بدلہ
فخر سے اونچا سر ہے میرا
بیگ بھی اس کو اک لے دیجے
جس میں کتابیں رکھ کر دیجے

■

Dr. Manazir Ashiq Harganvi
Kohsaar, Bhikanpur 3
Bhagalpur - 812001 (Bihar)

ہوا

عارف الدین شاہد

یہ ہوا ہم سے جو قریبی ہے
زندگی کے لیے ضروری ہے
ہے یہاں پر ہوا وہاں بھی ہے
ہم جہاں جائیں گے وہاں بھی ہے
وہ پرندے ہوا میں اڑتے ہیں
کیسی اونچی اڑان بھرتے ہیں
یہ ہوا ہی پتنگ اڑاتی ہے
بھاری بھرکم جہاز لاتی ہے
گرمیوں میں تو گرم ہوتی ہے
سردیوں میں تو سرد ہوتی ہے
بارشوں میں ہوائیں طوفانی
لے کے آتی ہیں ساتھ میں پانی
لے کے طوفان جب بھی آتی ہے
پیڑ اونچے اکھاڑ دیتی ہے
باغ میں پھول بھی کھلا دیتی
خوشبوؤں سے چمن بھی مہکاتی
ہم تو ہر دم ہی سانس لیتے ہیں
آکسیجن ہوا سے لیتے ہیں
پیڑ پودے ہمیں جو دیتے ہیں
وہ تو اچھی ہوائیں دیتے ہیں
پیڑ پودے لگاتے جائیں ہم
اپنا ماحول صاف رکھیں ہم

■

Arifuddin Shahid
Memon Colony, Bhosa Road,
At. Post. Bhosa, Dist. Yavatmal
Maharashtra - 445001 (Maharashtra)

اکتوبر کا روپ

ہلکی ہلکی سردی لے کر آتا ہے
دھوپ گلابی رنگت کی پھیلاتا ہے
ٹھنڈی ٹھنڈی مست ہوائیں چلتی ہیں
اکتوبر کا روپ نکھرتا جاتا ہے

دھان کی فصلیں میٹھے نغمے گاتی ہیں
چڑیاں دانہ دانہ چگتی جاتی ہیں
کھیتوں میں جیسے میلہ لگ جاتا ہے
اٹھتی گرتی آوازیں لہراتی ہیں

کتنے پنچھی پنکھ پسارے آتے ہیں
میٹھی لے میں میٹھے راگ سناتے ہیں
دھرتی کا بھی رنگ بدلنے لگتا ہے
دلکش منظر آنکھوں میں بس جاتے ہیں

دہقانوں کے چہرے جھلمل کرتے ہیں
چہرہ چہرہ چاند ابھرنے لگتے ہیں
چاند ابھرتے ہیں تو دہقانی بچے
اپنی اپنی ماں کا چہرہ تکتے ہیں

ماں کو گود کے بچے پیارے لگتے ہیں
ہیرے موتی، چاند ستارے لگتے ہیں
دھرتی کو بھی اپنے محنت کش بچے
جیسے بھی ہیں، راج دُلارے لگتے ہیں

■

Abdur Rahim Nashtar
Plot No: 94
Image Residency, Ayyappa Nagar
Nagpur - 13 (Maharashtra)

رخشاں ہاشمی

کوا اور کوئل

ایک دن کوے نے کوئل سے کہا
واہ کیا آواز ہے تیری بھلا

اس قدر میٹھی تری آواز ہے
سارے عالم کو تجھی پر ناز ہے

دیکھنے میں بھی بہت پیاری ہے تو
باتوں میں خوشبو ہے پھلواری ہے تو

تو جہاں بھی جس جگہ جس سے ملی
تیری باتوں میں ہے مصری سی گھلی

کس قدر سندر مگر گاتی ہے تو
ہر کسی کے دل میں بس جاتی ہے تو

تیرے ہر انداز میں جادو بھرا
تیرے گانے کا نشہ سب پر چڑھا

سن کے ساری بات کوئل نے کہا
ہر پرندے کی ہے اک اپنی ادا

پیارے کوے اس طرح مت ہو خفا
جانتی ہوں میں کہ تجھ میں ہے وفا

دل نہیں چھوٹا کرو اس بات سے
ہارنا مت تم کبھی حالات سے

کیا ہوا جو رنگ کالا یہ ترا
تو بتا اس میں ہے تیری کیا خطا؟

رنگ و روغن تو خدا کے ہاتھ ہے
ہاں مگر اخلاق اپنے ساتھ ہے

کیوں نہ ہم اخلاق میں نرمی کریں
کیوں نہ اپنی ذات میں خوبی بھریں

ہر کوئی پھر تیرا ہی گن گائے گا
ہر جگہ تو ہی سراہا جائے گا

■

Rakhshan Hashmi
Moh: Dilawarpur
Distt: Munger-811201 (Bihar)

فکر تونسوی

ٹینڈے دادا کا کارنامہ

اچانک ٹینڈے دادا نے دیکھا کہ وہ ایک سائیکل رکشا چلا رہا ہے۔ سلیٹی رنگ کی ایک خوب صورت کار اس سے آگے نکلنے کی بار بار کوشش کرتی ہے مگر پچھڑ جاتی ہے۔ کار والے کو غصہ آیا۔ اس نے گرج کر کہا ''لونڈے! اپنی رکشا روک لے شرم نہیں آتی کار کا مقابلہ کرتا ہے؟''

ٹینڈے نے ناک سے سیٹی بجائی اور ہنس کر کہا ''اب یہ رکشا نہیں رک سکتی، کیونکہ اس کی پانچ لاکھ روپے کی لاٹری نکل آئی ہے۔ قَر قَر قَر!''

اس پر کار والے نے سائیکل رکشا کے ساتھ زور کی ٹکر ماری، ٹکر مارتے ہی کار رک گئی اور سائیکل رکشا ہوا میں اڑنے لگی۔ ٹینڈے دادا نے نیچے کھڑے ہوئے کار والے کو آواز دی ''آجاؤ سیٹھ گوبھی چند گوبھی چند جی!! اوپر آجاؤ۔'' مگر کار والے نے صرف دانت پیسے اور ایک پتھر اٹھا کر ٹینڈے دادا کی طرف پھینکا۔ پتھر واپس سیٹھ کی ناک پر لگا اور ناک الگ ہو کر ہوا میں اڑنے لگی اور پھر وہ ایک کالا کالا بھونرا بَن کر ٹینڈے کے اردگرد گھومنے اور ڈانس کرنے لگی۔ ٹینڈے گھبرا گیا۔ اس نے سائیکل رکشا کے بریک زور سے دبائے۔ رکشا رُک گئی اور ہوا میں ہی ایک جگہ لٹک گئی۔ ٹینڈے نے بھنورے سے پوچھا ''تم کون ہو اور کیا چاہتے ہو؟''

بھنورا بولا ''میں تمھاری عزت ہوں، مجھے پکڑ لو۔''

ٹینڈے نے ہاتھ بڑھا کر بھنورے کو پکڑ لیا۔ کیا دیکھتا ہے کہ وہ بھنورا نہیں ہے بلکہ لاٹری کا ٹکٹ ہے اور ٹکٹ میں سے آواز آئی ''رکشا والے کی لاٹری نکل آئی! رکشا والے کی لاٹری نکل آئی!''

اور پھر چاروں طرف سے سیکڑوں، ہزاروں لوگ ابھر آئے اور ٹینڈے دادا کے سر پر پھول برسانے لگے اور نعرے لگانے لگے ''ٹینڈے دادا کی جے ہو! ٹینڈے زندہ باد!''

ایک آدمی نے آگے بڑھ کر ٹینڈے کی سائیکل رکشا نیچے سے کھینچ لی اور اسے اٹھا کر یوں پھینک دیا جیسے کوئی مرے ہوئے چوہے کو پھینکتا ہے۔ بہت سے لوگ اس مرے ہوئے

چوہے کی طرف دوڑے۔ ہر ایک کی یہ ہی کوشش تھی کہ رکشا کو پکڑ کر اسے چلانے لگے۔ ہر آدمی کہہ رہا تھا ''یہ رکشا خوش نصیب ہے۔ جو بھی اسے چلائے گا اس کی پانچ لاکھ کی لاٹری نکل آئے گی۔''

اچانک ایک دھما کہ سنائی پڑا اور رکشا ایک پہاڑ کی چوٹی سے ٹکرا کر ٹکڑے ٹکڑے ہوگئی اور پھر یہ ٹکڑے ہوا میں اڑنے لگے اور لوگوں نے دیکھا یہ ٹکڑے نہیں ہیں بلکہ کرشمی نوٹ ہیں۔ پانچ کے نوٹ، دس کے، سو کے نوٹ اور یہ سب ہی نوٹ مارچ کرتے ہوئے ٹینڈے کی جھولی میں گرنے لگے۔ جو آدمی بھی ان نوٹوں کی طرف لپکتا، نوٹ اس کے منہ پر طمانچے کی طرح لگتے اور وہ گال سہلانے لگتا۔ جب بھی کسی کے طمانچہ لگتا ٹینڈے دادا قہقہہ لگا کر ہنس دیتا اور کہتا ''پکڑلو، پکڑلو ان نوٹوں کو پکڑلو۔ میری طرف سے کھلی چھوٹ ہے۔''

تھوڑی دیر تک چھینا جھپٹی کا یہ ڈرامہ جاری رہا جس سے لوگ تھک گئے اور پھر ٹینڈے نے دیکھا کہ سب ہی لوگ مارے تھکن کے یوں نیچے دھرتی کی طرف گر رہے ہیں جیسے پت جھڑ کے پتے گرتے ہیں۔ اب ٹینڈے ہوا میں اکیلا کھڑا تھا اور ہزاروں کرنسی نوٹ اس کے بدن سے چپک گئے تھے۔

وہ چلایا ''اے خدا! اب میں کیا کروں؟ کہاں جاؤں؟''

اس کا اتنا ہی کہنا تھا کہ ایک سندرسی سلیٹی رنگ کی کار تیزی سے آئی اور کسی ہاتھ نے ٹینڈے کو پکڑ کر کار میں بٹھا لیا اور کار سائیں سائیں کرتی ہوئی نیچے دھرتی کی طرف اترنے لگی۔ ٹینڈے دادا نے ڈر کے مارے آنکھیں بند کرلیں، اور پوچھا ''تم کون ہو؟ یہ کار کس کی ہے؟''

جواب آیا ''میں تمھاری ماں ہوں یہ کار تمھاری ہے بیٹا!''

ٹینڈے نے آنکھیں کھول دیں اور بولا ''ممی کیا تم میری وہی ممی ہو، جس نے کل میری پٹائی کی تھی؟''

''ہاں!'' کل تم نے اپنی گولک توڑ کر ایک روپیہ نکالا تھا اس لیے پٹائی کی تھی۔ مگر پگلے اگر تم مجھے بتاتے............ اس روپے سے لاٹری کا ٹکٹ خرید رہے ہو تو میں............ تمھیں آشیرواد دیتی۔''

ٹینڈے نے اپنے بدن سے چپکا ہوا ایک روپے کا نوٹ اٹھایا اور کہا ''یہ لو ماں! لو گولک والا ایک روپیہ اور جاؤ مجھے اکیلا چھوڑ دو۔''

''نہیں میرے لال!'' ماں نے کار روک کر کہا۔ میری ممتا تمھیں اکیلا کیسے چھوڑ سکتی ہے؟ تمھارے پاس اتنی بڑی مایا ہے، اور سنار بڑا ظالم ہے۔ تمھیں بھولا بھالا سمجھ کر لوٹ لے گا بیٹا! چلو، گھر چلو، سب ہی رشتے دار تمھارا انتظار کر رہے ہیں۔''

''نہیں ماں۔'' ٹینڈے چلایا ''مجھے پہلے بھنجو حلوائی کے پاس جانے دو مجھے اس کے دو روپے اُدھار کے چکانے ہیں۔''

تبھی اتنے میں بہت سے رشتے دار گھر سے باہر نکل آئے۔ ٹینڈے کے منہ میں لڈو، برفی اور جلیبیاں ڈالتے گئے۔ انھوں نے اسے کار سے اتار کر گھیر لیا۔

ایک نے پکارا ''ٹینڈے میں تمھارا ماموں ہوں۔''

دوسرا بولا ''میں تمھارا چچا ہوں۔''

''میں تمھاری خالہ ہوں۔''

''میں تمھاری بوا ہوں۔''

''میں تمھارا بھنجو حلوائی ہوں۔''

اور پھر ایک ساتھ پشت سے ڈھول اور نقارے اور ریڈیو

سیٹ بجنے لگے اور مبارک بادوں اور دعاؤں سے سارا ماحول گونج اٹھا۔ ٹینڈے کا دل گھبرا گیا۔ وہ کھڑا ہو گیا اور اونچی آواز میں بولا ''ہٹ جاؤ اب ہی ایک ایک گز پیچھے ہٹ جاؤ۔''

سب لوگ پیچھے ہٹ گئے۔

''اپنے اپنے ہاتھ آگے بڑھاؤ۔'' ٹینڈے نے حکم دیا۔

سب نے ہاتھ بڑھا دیے اور ٹینڈے اپنے بدن سے کرنسی نوٹ اتار اتار کر ہر ایک کے ہاتھ پر رکھتا گیا۔ ننھے دادا کی یہ کھلی دین دیکھ کر گلی محلے کے سب بچے بھی اکٹھے ہو گئے اور سب نے اپنی ننھی ننھی ہتھیلیاں پھیلا دیں — ٹینڈے دادا نے سب کے ہاتھ کرنسی نوٹوں سے بھر دیے اور جب سب لوگ نوٹوں کی بھیک لے چکے تو ٹینڈے نے پکارا ''کوئی اور ہے دَھن کا لوبھی۔''

''میں ہوں۔ ایک کم زور سا آدمی اُدھر سے بھاگتا ہوا آیا ''میں بائیسکل رکشا والا! ٹینڈے دادا، تم میری رکشا لے گئے تھے۔ وہ کہاں ہے؟ رکشا کے بغیر تو میں یتیم ہو گیا اُوں اُوں۔'' یہ کہہ کر وہ رونے لگا۔ ٹینڈے دادا کو ترس آ گیا۔ اس نے باقی سارے نوٹ اس رکشا والے کو دے دیے رکشا والا بھاگا۔ سب لوگ اس کے پیچھے بھاگے۔

اور پھر اچانک ایک دھماکہ سا ہوا، جیسے بہت سے لوگ کسی کنوئیں میں جا گرے ہوں اور اس دھماکے سے ٹینڈے دادا کی آنکھ کھل گئی۔ وہ چارپائی سے نیچے گر پڑا تھا اور اس کی ماں اس کے پاس کھڑی کہہ رہی تھی ''کیا ہوا میرے لال کو؟ دیکھوں کہیں چوٹ تو نہیں لگی؟''

■

یہ آئی کیسی آواز
سر کے اوپر ایک جہاز
آسمان میں اڑنے والا
جنگل جنگل پھرنے والا
گھنٹوں میں پہنچو پردیس
یہ جاتا ہے دیس بدیس
بچے دیکھ کے خوش ہوتے
روتے ہنستے چپ ہوتے
ہر جانب آتا جاتا
بادل میں بھی چھپ جاتا
ہم بھی اڑنا سیکھیں گے
محنت کرنا سیکھیں گے
جاوید تو بھی کچھ تو سیکھ
ورنہ مانگو در در بھیک

■

Javed Abdul Azeez
G-51/8, Third Floor, Shaheen Bagh
Jamia Nagar, Okhla
New Delhi - 110025

اظہر ابرار

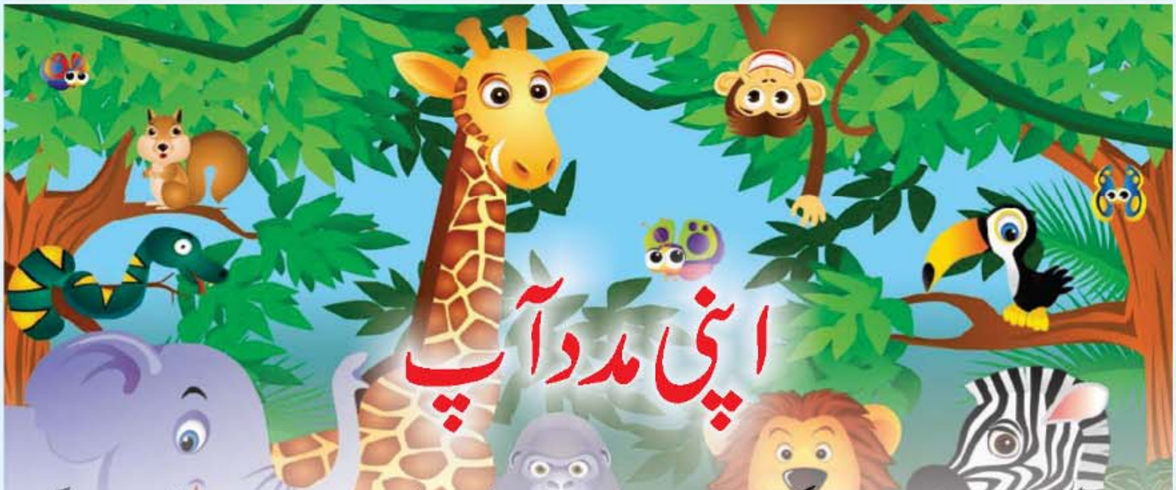

اپنی مدد آپ

ایک جنگل ہرا بھرا تھا۔ وہاں ہر طرف کسی طرح کے چھوٹے چھوٹے پودے اگ آئے تھے۔ دور دور تک ایسا لگتا جیسے قدرت نے گہرے رنگ کی ہری چادر بچھا دی ہو اور اس پر رنگ برنگے پھولوں کا گلشن سجا دیا ہو۔ ان پھولوں کی خوشبوؤں سے سارا جنگل مہک اٹھتا۔ وہیں پاس ہی کے ایک گاؤں سے صاف پانی کا جھرنا جنگل کے درمیان سے بہتا رہتا۔ یہ جنگل چھوٹے بڑے جانور، پرندوں کا بسیرا تھا ان میں ہاتھی، ژراف، چوہے، بندر، مور، بگلے، مینا اور کوے مل جل کر زندگی گزار رہے تھے۔ ایک دن اس خوبصورت جنگل میں ایک چڑیوں کا جوڑا کہیں سے اڑتا ہوا چلا آیا۔ انھیں یہ جگہ اتنی پسند آئی کہ انھوں نے یہیں بس جانے کا فیصلہ کرلیا۔ ہر طرف ہریالی ہی ہریالی چھائی ہوئی تھی۔ پورا ماحول خوشحالی میں ڈوبا ہوا تھا، دانہ دنکے کی کمی نہ تھی اور نہ ہی کسی جانور کا ڈر۔ دن بھر یہ جوڑا سارے جنگل میں چہچہاتا رہتا اور جب جی چاہتا کبھی اس پیڑ پر کبھی اس شاخ پر بیٹھ کر گھونسلا بنانے کی کوشش میں رہتا یا جب کبھی اس ادھم چوکڑی سے تھک ہار جاتا اور اپنے پنکھوں کو دھول مٹی میں اٹا ہوا پاتا تب بہتے ہوئے جھرنے میں ڈبکیاں لگالیتا۔ جنگل میں ان نئے مہمانوں کی آمد سے سارے جاندار خوش ہوگئے۔ یہ جگہ اس نئے جوڑے کے لیے جنت سے کم نہ تھی۔ یہاں انھیں ہر طرح کا عیش و آرام جو نصیب تھا۔ وہ ہر روز اس گھنے جنگل سے آسمان میں ایک لمبی اڑان بھرتے ہوئے بہت اونچائی پر مٹر گشتی کرتے ہوئے دور نکل جاتے۔ جنگل کے درمیان سے بہتا ہوا جھرنا جو آگے چل کر ایک وسیع ندی کے دھاروں سے مل جاتا۔ اسی ندی کے کنارے پر بسا ہوا ایک چھوٹا سا گاؤں اس چڑیا کے جوڑے کو کئی دفعہ صاف نظر آتا جہاں آباد گاؤں والے انھیں اپنے کام کاج میں مگن دکھائی دیتے۔ کسان اپنے کھیتوں میں ہل چلاتے اور عورتیں دھان نکالتی رہتیں گھر کے بچے اپنے والدین کے کاموں میں مدد کرتے۔ یہ سب دیکھ کر بی چڑیا کو بڑی حیرت ہوتی وہ میاں چڑے سے کہتی ''کیا یہ لوگ ہم سے بھی زیادہ محنت کرتے ہیں؟'' چڑے میاں کہتے ہاں بھئی ہاں۔ تم سے شادی ہونے سے پہلے میرا سارا بچپن اسی گاؤں میں جو گزرا۔ میں اچھی طرح جانتا ہوں یہ میرا گاؤں ہے، یہاں رہنے والے تمام افراد بڑے محنتی اور ایماندار ہیں۔ دنیا میں جتنی بھی رونقیں ہیں وہ سب ان ہی محنتی انسانوں کی ہی بدولت ہیں۔ محنت کرنے والے انسان اپنی مدد آپ کرتے ہیں۔ چڑیا نے چی چی کرتے

ہوئے چڑے کی بات سنی اور پھر وہ دونوں اڑتے ہوئے گھنے جنگل کے درمیان پہنچ گئے۔

ابھی تک وہ دونوں گھونسلا بنانے کے متعلق کوئی فیصلہ نہیں کر پا رہے تھے۔ اسی سوچ میں وقت بیتا چلا جا رہا تھا اور اب تو چڑیا کے انڈے دینے کی گھڑی قریب آن پڑی۔ چڑے نے اسے اس بات پر راضی کرلیا کہ وہ اپنا گھونسلا گاؤں کے کسی گھر میں بنائے تاکہ ان کے ہونے والے بچے بھی کسانوں کے بچوں کو دیکھ کر محنتی بن سکیں مگر چڑیا سمجھ نہیں پا رہی تھی کہ کیا کیا جائے۔ اسے اس موقع پر گاؤں میں محنت کرتے ہوئے کسانوں کی یاد آ گئی۔ ایک لحہ اس نے کچھ سوچنے کے بعد حالات کو بھانپ لیا۔ چڑے نے اسے دیکھ کر بڑی مناسب بات کہی ”بی چڑیا اگر تم چاہتی ہو کہ ہمارے بچے ایک اہم سبق یعنی ”اپنی مدد آپ“ کیسے کی جاتی ہے سیکھ جائیں تو سمجھ لو کہ وہ زندگی میں کامیاب ہو گئے اور یہ اسی وقت ممکن ہوسکتا ہے جب ہم کچھ دن اپنے گاؤں میں بتائیں۔“ پہلے پہل چڑیا تھوڑی گم سم رہی مگر جلد ہی اس نے اپنے بچوں کے سنہرے مستقبل کی بات سن کر حامی بھر دی۔ پھر وہ دونوں گھونسلا بنانے کے لیے نکل پڑے اور اڑتے ہوئے سارے گاؤں کا چکر لگا لیا۔ آخر کار انھیں ایک غریب کسان کا ایک چھوٹا سا جھونپڑا پسند آ گیا۔ اس کسان کے آنگن میں ایک بلند و بالا نیم کا پیڑ اپنی لمبی لمبی شاخیں پسارے کھڑا تھا۔ دور سے دیکھنے پر یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے وہ ان پرندوں کا استقبال کر رہا ہو۔ اس کی ایک شاخ پر انھوں نے کچھ دنوں کی محنت کے بعد ایک گھونسلا بنا لیا۔ یہاں کسان اپنے چھوٹے سے خاندان کے ساتھ زندگی بسر کر رہا تھا۔ ان کا ایک ننھا بچہ دن بھر آنگن میں کلکاریاں مارتا رہتا۔ ابھی وہ اتنا چھوٹا تھا کہ گھٹنوں کے بل رینگتا کبھی کسی مضبوط چیز کا سہارا لے کر کھڑے ہونے کی کوشش کرتا اور کئی دفعہ گر پڑتا۔ جب سے چڑیا کے جوڑے نے اس نیم کے پیڑ پر اپنا گھونسلہ بنایا کسان کا بچہ ہر روز اپنی ننھی ننھی انگلیاں نچاتے ہوئے بڑے غور سے انھیں تکتا رہتا جبکہ یہ پرندے بھی اپنے شور غل سے دن بھر اس چھوٹے سے بچہ کا دل بہلاتے۔ کچھ دنوں بعد چڑیا نے اس گھونسلے میں دو سفید چھوٹے چھوٹے انڈے دے دیے۔ ان انڈوں کی حفاظت اب دونوں کی ذمہ داری تھی۔ چڑیا دن بھر گھونسلے میں رہتی اور چڑا باہر کھیتوں سے دانے جمع کر کے لے آتا۔ ایسے ہی کچھ دن گزر گئے اور پھر ان انڈوں سے دو خوبصورت ننھے بچے چیں چیں کر کے باہر نکل آئے۔ یہ دیکھ کر چڑیا چڑے کی خوشی کا ٹھکانہ نہ رہا۔ وہ کبھی آنگن میں کھیلتے ہوئے کسان کے بچے کو دیکھتے اور کبھی اپنے بچوں کو نہارتے۔ یہ جوڑا باری باری کھیتوں میں جا کر اپنے بچوں کے لیے دانے اکھٹا کرتا اور انھیں اپنی چونچ سے چبا کر بچوں کے منہ میں ڈالتا۔ کچھ دنوں کی محنت کے بعد بچے صحت مند ہو گئے اور جسم پر پنکھ اگ آئے اور پھر ننھے ننھے خوبصورت پروں میں وہ بھرے بھرے سے لگنے لگے مگر ابھی بھی ان میں اتنی ہمت نہیں تھی کہ وہ اڑ سکیں۔ چڑیا کا یہ گھونسلا بہت اونچائی پر تھا۔ وہ نیچے کھیلتے ہوئے کسان کے بچہ کو دیکھتے جو اپنے گھٹنوں کے بل رینگتا رہتا اور کبھی دیوار کا سہارا لے کر کھڑے ہونے کی ہمت بھی کرتا مگر کئی بار جب اس کی ماں دھیان نہیں دے پاتی، تو وہ بچہ گر پڑتا اور زور زور سے رونے لگتا۔ بچہ کی یہ حالت دیکھ کر چڑیا کے بچے اور زیادہ بے چین ہو جاتے۔ ماں کو فکر ستانے لگتی کہ بھلا بچے کیسے اڑ سکیں گے اس وقت چڑا سمجھاتے ہوئے کہتا ”جب تک یہ بچے خود سے اڑنے کی کوشش نہیں کریں گے بھلا

یہ کیسے اڑ سکتے ہیں۔ انھیں 'اپنی مدد آپ' کرنی چاہیے۔ چڑیا فکر مندانہ لہجے میں کہتی'' بھلا اتنی اونچائی سے اگر گر گئے تو نہ جانے ان کا کیا حشر ہوگا۔ کب یہ اڑنا سیکھیں گے کہیں کوئی سانپ آ گیا تو...

چڑا اپنی بات پھر سے دہراتا چڑیا کہتی'' بھلا وہ کیسے اڑ سکتے ہیں؟ ابھی وقت نہیں آیا'' چڑا سمجھاتے ہوئے کہتا'' دیکھو اس کسان کے بیٹے کو کتنی بار گرتا ہے، روتا ہے پھر کھڑے ہو جاتا ہے مگر ہمت نہیں ہارتا۔ اس طرح وہ اپنی مدد آپ ہی کرتا ہے۔ چڑے کی یہ باتیں سن کر چڑیا تھوڑی سٹپٹاتی۔ چڑا بار بار اس کی ڈھارس باندھتا رہتا۔

ایک دن ہوا یوں کہ زور کی آندھی چلی۔ ہر طرف دھول کا جھکڑ چل پڑا اور سارے ماحول میں گرد غبار پھیل گیا۔ یہی وہ نازک وقت تھا جب چڑا اپنے گھونسلے سے دور دانہ لانے کسانوں کے کھیتوں میں چلا گیا۔ ادھر چڑیا گھبرا گئی اور دونوں بچے بھی ڈر کے مارے کانپنے لگے۔ ان کا خوف بڑھتا جا رہا تھا۔ گھونسلا ادھر سے ادھر جھولے کی طرح جھول رہا تھا، کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا۔ آنگن میں کھیلتا ہوا کسان کا بیٹا نہ جانے کیوں گھونسلے کو ہلتا ہوا دیکھ کر خوش ہونے لگا۔ چڑیا کو اپنے بچوں کی موت ہوا میں ناچتے ہوئے نظر آنے لگی کہ اب گرے کہ جب گرے۔ جس شاخ سے گھونسلا لٹک رہا تھا وہ بس کسی دم ٹوٹنے ہی والی تھی۔ کسی وقت بھی گھونسلا زمین سے جا لگتا ادھر چڑا بڑی تندہی سے اڑتے ہوئے اپنے گھونسلے کی جانب چلا آیا کہ کسی طرح اپنے بچوں کو بچا لیا جائے جیسے ہی وہ کسان کے گھر کے قریب پہنچا۔ کیا دیکھتا ہے ایک زوردار ہوا کے جھکڑ نے اس کی آنکھوں کے سامنے اس کے آشیانے کو اجاڑ دیا۔ جس شاخ سے گھونسلا لٹک رہا تھا وہ کررر کی آواز کے ساتھ ٹوٹتی چلی گئی۔ چڑیا کو یہ منظر دیکھ کر چکر آ گیا۔ چڑے نے بلند آواز سے کہا'' ہمت رکھو ڈرو نہیں'' بچوں کو گرنے سے بچاؤ مگر پہلے اپنے آپ کو تو سنبھال لو جیسے ہی وہ دونوں بچوں کی جانب لپکے، بچے ان کی پہنچ سے دور زمین پر گرنے لگے۔ ادھر تیز ہواؤں سے گھونسلا برباد ہو گیا۔ دونوں بچے زمین پر بس گر کر پٹخنی کھا جاتے تب ہی گرتے گرتے انھوں نے اپنے پروں کو پھڑ پھڑانا شروع کر دیا اور جوں ہی وہ زمین سے ٹکرائے ان کے بازوؤں میں قوت پیدا ہو گئی اور چڑیا کے ان بچوں نے کسی بڑے حادثے کا شکار ہونے سے پہلے اپنا رخ آسمان کی طرف موڑ لیا اور پھر دیکھتے ہی دیکھتے نیلے آسمانوں میں ایک لمبی اڑان بھرنے لگے۔ یہ عجیب و غریب منظر دیکھ کر کسان کا بچہ خوشی سے تالیاں بجانے لگا۔ ادھر چڑیا اور چڑا خوشی سے پھولے نہیں سما رہے تھے۔ وہ بچوں کے پیچھے اڑنے لگے۔ چڑے نے چوں چوں کرتے ہوئے کہا'' دیکھا میں نہ کہتا تھا جو زندگی میں دوسروں کا سہارا لیے بغیر آگے بڑھتے ہیں یعنی 'اپنی مدد آپ' کرتے ہیں، وہ زندگی میں ہمیشہ کامیاب ہوتے ہیں۔'' پھر چڑیوں کا یہ جوڑا اپنے بچوں کے ساتھ اڑتے ہوئے جنگل کی طرف روانہ ہو گیا۔ آنگن میں کسان کا بیٹا اپنے ننھے ننھے پیروں پر کھڑا ہو کر خوش ہوا جا رہا تھا۔

■

Dr. Azhar Abrar Ahmad
Asst Prof & Head
Department of Urdu
Seth Kesarimal Porwal College
Kamptee, Nagpur - 441002 (Maharashtra)

رومانہ عفت راہی

دوستی کے رنگ

تاباں اور انابیہ دونوں اچھی دوست تھیں اور آٹھویں کلاس میں پڑھتی تھیں۔ ان دونوں میں مثالی دوستی تھی۔ ان دونوں کی دوستی پورے اسکول میں مشہور تھی۔ وہ دونوں ہونہار اور محنتی تھیں۔ اور اتفاق سے دونوں ایک ہی محلے میں رہتی تھیں۔ ان دونوں نے ٹائم ٹیبل بنایا ہوا تھا۔ وہ ایک دوسرے کے گھر جا کر پڑھائی کیا کرتی تھیں اور پھر وہ ایک دوسرے کا ٹیسٹ لیا کرتیں، اگر ٹیسٹ میں دونوں میں سے کسی کے بھی نمبر کوئی سبجیکٹ میں کم آتے تو وہ پھر اس سبجیکٹ میں خوب محنت کیا کرتی، اسی طرح وہ دونوں ہی اپنی ہر کلاس میں پوزیشن لیتی رہتیں۔ وہ دونوں اپنی ذہانت اور اپنے اچھے اخلاق کی وجہ سے ہر ٹیچر کی آنکھوں کا تارا تھیں۔ یعنی وہ دونوں ہر دل عزیز تھیں۔ لیکن ان کی کلاس میٹ عبیرہ ان کی دوستی سے جلتی تھی۔ وہ پڑھائی میں ان سے آگے ہونا چاہتی، لیکن وہ ان دونوں سے کبھی آگے ہی نہیں ہو پاتی تھی۔

ان کے First Semester Exam قریب تھے۔

آمنہ امتحان کی فیس جمع کر رہی تھی۔ سب طالب علم فیس جمع کروا رہے تھے۔ تاباں کو بھی فیس جمع کروانی تھی۔ تاباں نے اپنا پاؤچ کھولا، لیکن اسے جب حیرت کا جھٹکا لگا جب اس کے پاؤچ سے پیسے غائب تھے۔ اس نے پریشانی کے عالم میں پورا بیگ چیک کر ڈالا، لیکن پیسے بھی نہیں تھے۔ انابیہ بھی فیس جمع کروا کے آئی اور بینچ پر بیٹھ گئی۔ وہ دونوں ایک ہی بینچ پہ بیٹھی تھیں۔ بینچ پہ تاباں کا بکس وغیرہ جیسی چیزیں پھیلی ہوئی تھیں۔ تبھی انابیہ کی نظر تاباں کے پریشان سے چہرے پر پڑی۔ ''کیا ہوا تاباں؟''...؟ انابیہ نے بغور اسے دیکھا۔

''انابیہ! میرے فیس کے پیسے دکھائی نہیں دے رہے۔''

.....؟ تاباں ایک دم روہانسی ہوئی۔

''کہاں رکھے تھے تم نے پیسے.....؟'' انابیہ بھی اس کی مدد کرنے لگی۔

''پاؤچ میں تو رکھے تھے۔''

''تاباں بیٹا! آپ نے اب تک فیس جمع نہیں کروائی''

.....؟ آمنہ ان کے بینچ کے قریب چلی آئی۔
''میم! میں کل فیس جمع کروادوں گی۔'' تاباں شرمندہ سی ہوئی تھی۔ ''بیٹا! فیس جمع کرنے کی کل آخری تاریخ ہے، اپنی فیس کل جمع کروادینا۔مس آمنہ نرمی سے کہتے ہوئے کلاس سے باہر نکل گئی۔ کلاس ختم ہوئی تو عبیرہ دو تین لڑکیوں کے ساتھ ان کے بینچ کے قریب چلی آئی۔
''کیا ہوا تاباں، یہ سارا سامان کیوں اس طرح بکھرا ہے؟''
عبیرہ نے مسکراتے ہوئے کہا۔
''تاباں کے فیس کے پیسے گم ہوگئے ہیں۔'' انابیہ کہنے لگی۔
''تاباں! تم پیسے لائی تھیں یا نہیں۔'' عبیرہ نے مزے سے کہا۔''مجھے پاپا نے صبح ہی فیس کے پیسے دیے تھے..... مجھے اچھی طرح یاد ہے۔ میں نے پاؤچ میں ہی پیسے رکھے تھے۔ تاباں۔''
''تاباں! میں آج اپنی پاکٹ منی گھر پہ ہی بھول آئی، ورنہ میں تمھیں پیسے دے دیتی۔''..... وہ تو صبح میں مما نے فیس کے پیسے میرے بیگ میں رکھے تھے۔'' انابیہ نے اداس بیٹھی تاباں سے کہا۔
''ویسے تاباں سوچنے والی ہے تمھارے پیسے گئے کہاں کہاں..... تم سب کے بیگوں کی چیکنگ لو۔عبیرہ نے مشورہ دیا۔
''نہیں، جانے دو میں کل پاپا سے اور پیسے لے لوں گی۔'' تاباں کتابیں اپنے بیگ میں رکھتے ہوئے کہنے لگی۔
''تاباں! چیکنگ تو ہونی ہی چاہیے، آج تمھارے پیسے گم ہوئے ہیں کل کسی اور کے بھی ہوسکتے ہیں..... سب سے پہلے انابیہ کے بیگ کو چیک کرو، وہی تو تمھارے بازو میں بیٹھی ہے۔'' عبیرہ کے ہونٹوں پر طنزیہ مسکراہٹ تھی۔
''واٹ، انابیہ کیوں چرائے گی میرے پیسے۔'' تاباں نے غصے سے عبیرہ کو گھورا۔
''تم ہوش میں تو ہو عبیرہ..... میرے بیگ کی چیکنگ کرنے کو کہہ رہی ہو.....'' انابیہ کو بھی غصہ آیا۔
پھر ان دونوں کے منع کرنے کے بعد بھی عبیرہ، انابیہ کا بیگ چیک کر کے ہی رہی..... اور حیرت کا جھٹکا تو سب کو جب لگا جب انابیہ کے پاؤچ میں سے پیسے ملے۔
''کیوں انابیہ، تم تو آج پاکٹ منی نہیں لائی ہو نا، تو پھر یہ پیسے کس کے ہیں؟..... عبیرہ کی آنکھوں کی چمک بڑھی تھی اور فتح مندی کی مسکراہٹ اس کے ہونٹوں پہ رقصاں تھیں۔
''مجھے نہیں پتہ یہ پیسے کیسے میرے پاؤچ میں آئے..... انابیہ ایک دم حیران ہوئی تھی..... جبکہ تاباں شاکڈ سی انابیہ کے پاؤچ کو دیکھ رہی تھی۔
''دیکھا تاباں! تمھاری دوست نے ہی تمھارے ساتھ دھوکہ کیا، شاید انابیہ چاہتی ہو کہ تم امتحان ہی نہ دے پاؤ۔'' عبیرہ مکاری سے مسکراتے ہوئے تاباں کو اور نہ جانے کیا کیا کہہ رہی تھی۔''بس! عبیرہ اپنی بکواس بند کرو، میں نے کہا نا کہ مجھے نہیں پتہ یہ پیسے کیسے میرے پاؤچ میں آئے۔'' انابیہ ایک دم چیخی۔ ''اس پہ کیوں چلا رہی ہو انابیہ، وہ سچ کہہ رہی ہے..... تم نے ہی میرے پیسے چرائے ہیں۔ انابیہ تم نے میرے بھروسے کو توڑ دیا مجھے تم سے ایسی امید نہیں تھی۔ مجھے تو تمھاری دوستی پہ بہت ناز تھا لیکن تم نے میرے یقین کو چکنا چور

کر دیا..... آج سے تمھاری اور میری دوستی ختم۔'' تاباں نے غصے سے کہا۔ بلکہ انابیہ بت بنی سن رہی تھی اور پھر ایک دم وہ تڑپ اٹھی۔ ''تاباں! تم نے اس جھوٹی عبیرہ کی باتوں پہ یقین کر لیا، ہماری دوستی تو ایک شمع کی طرح تھی جس سے محبت اور خلوص کی روشنی پھیلتی تھی..... تم نے ہماری اتنے سالوں کی دوستی کو چند سیکنڈ میں ہی توڑ دیا'' انابیہ روتے ہوئے کہنے لگی، جبکہ تاباں بنا کچھ کہے عبیرہ کے ساتھ پیچھے بینچ پہ جا کر بیٹھ گئی..... انابیہ نے پیچھے مڑ کر آنسو بھری نظروں سے تاباں کو دیکھا، نظر ملنے پہ تاباں نے رخ موڑ لیا جبکہ عبیرہ کی گردن کچھ زیادہ ہی اکڑ گئی تھے۔

پھر دن یونہی گزرنے لگے۔ انابیہ، تاباں کو منا منا کے تھک گئی۔ اس نے کتنی بار اپنی بات کا یقین دلانا چاہا لیکن وہ نہیں مانی تو پھر انابیہ نے بھی اسے منانا چھوڑ دیا۔ ان کی دوستی ختم ہونے کی بات پورے اسکول میں جنگل کی آگ کی طرح پھیل گئی تھی۔ سارے استاد اور طالب علم حیران تھے۔ کیونکہ پورے اسکول میں ہر کوئی ان کی سچی دوستی سے واقف تھا۔ وہ جو ایک دوسرے کے بغیر ایک پل بھی نہیں رہتی تھیں۔ اب وہ ایک دوسرے کے بغیر ہی سارے کام کر رہی تھیں۔ ان کے امتحان آئے اور چلے بھی گئے، پھر بھی انھوں نے ایک ساتھ پڑھائی نہیں کی۔ پھر دیوالی کی چھٹیاں شروع ہو چکی تھیں..... دیوالی کی چھٹیاں ختم ہونے کے بعد ان کا اسکول پھر شروع ہو چکا تھا۔ پھر دن یونہی ایک کے بعد ایک سرعت سے گزر رہے تھے..... وہ دونوں ایک دوسرے کو دیکھ کر یوں گزر جاتیں جیسے جانتی ہی نہ ہوں۔

آج سوموار تھا۔ تاباں اور انابیہ ایک ساتھ کلاس روم میں داخل ہوئی تھیں۔ وہ دونوں ایک دوسرے کی طرف دیکھے بغیر جونہی آگے بڑھیں عبیرہ کے منہ سے اپنا نام سن کے دونوں کے قدم وہیں رک گئے..... عبیرہ اور اس کی دوست کی ان کی طرف پشت تھی اور عبیرہ اپنی دوست سے کہہ رہی تھی۔ ''دیکھا دوست تم نے عبیرہ کی اداکاری کو۔ آخر تم لوگ بھی عبیرہ کو مان گئے ہوگے۔ کیسے الگ کیا میں نے تاباں اور انابیہ کو..... بہت گھمنڈ تھا دونوں کو اپنی دوستی پہ، کہتی تھیں کہ ہم سچے دوست ہیں اور وہ بے وقوف تاباں کیسے میری باتوں میں آ گئی۔ حالانکہ انابیہ کے پاؤچ میں تاباں کے پیسے میں نے ہی رکھے تھے جب وہ دونوں بریک میں لائبریری گئی تھیں۔ تاباں نے میری جھوٹی باتوں کو سچ سمجھ لیا۔ انابیہ بے چاری اپنی صفائی دیتی رہی۔ سچ یار مجھے تو ان دونوں کو یوں اکیلا دیکھ کر بہت مزہ آ رہا ہے..... بڑے آئے دوستی کے دعویدار۔ اب دیکھنا اس بار پوزیشن تو میری ہی آئے گی کیونکہ ان دونوں نے اب ایک ساتھ میں پڑھائی نہیں کی ہے۔'' عبیرہ نے زور سے قہقہہ لگایا تھا جبکہ وہ دونوں شاکڈ کھڑی تھیں..... پھر تاباں کو ایک دم ہوش آیا تھا اور وہ غصے سے عبیرہ پہ جھپٹی۔ اس کے رخسار پہ ایک تھپڑ رسید کیا تھا۔ عبیرہ اس افتاد کے لیے تیار نہیں تھی۔ عبیرہ نے غصے سے بھری تاباں کو دیکھا، تو اسے سمجھ میں آیا کہ وہ اس کی باتیں سن چکی ہے۔

''گھٹیا لڑکی، شرم آنی چاہیے تمھیں۔ انابیہ کے پاؤچ میں پیسے رکھتے ہوئے تمھیں ذرا بھی خدا کا خوف نہیں آیا۔ دو سچے دوستوں کو تم نے ایک دوسرے سے متنفر کر دیا..... خدا تم کو کبھی معاف نہیں کرے گا، تم نے دو دوستوں کا دل دکھایا ہے۔''

تاباں نے نفرت سے اسے دیکھا۔اس کی آنکھوں میں اپنے لیے اتنی نفرت دیکھ کر عبیرہ ساکت رہی۔ کہتے ہیں نا کہ پہاڑ پہ سے گر کر انسان اٹھ سکتا ہے مگر کسی کی نظروں سے نہیں۔ انابیہ گنگ سی کھڑی تھی۔تاباں انابیہ کے پاس چلی آئی تھی۔

''سوری انابیہ، مجھے معاف کردو، میں عبیرہ کے جھوٹ کو سچ سمجھ بیٹھی تھی..... حالانکہ میرا دل یہ کہتا تھا کہ تم چور نہیں ہو۔ کئی بار میرا دل تمھاری طرف واپس لوٹ آنے کو کہتا لیکن یہ عبیرہ مجھے تمھارے خلاف بھڑکاتی تھی۔'' تاباں نے اس کا ہاتھ پکڑا وہ بہت شرمندہ تھی۔

''تاباں! غلطی تو تمھاری بھی ہے تم نے مجھ پہ اعتبار نہیں کیا..... دوستی میں جب تک ایک دوسرے کا اعتبار اور بھروسہ نہ ہو اس کے بغیر دوستی بے معنی ہے۔سچا دوست تو وہ ہوتا ہے جو اپنے دوست کو اس کی خامیوں سمیت قبول کرے..... تاباں، کیا ہماری دوستی کے رنگ اتنے کچے تھے کہ ذرا سی غلط فہمی سے ماند پڑنے لگ جائیں..... دوستی میں وفاداری، خلوص، محبت، اتحاد اور قربانی کے رنگ پنہاں ہونے چاہئیں۔ ان رنگوں کے بغیر دوستی ادھوری ہے۔'' انابیہ نے تاباں سے کہا تو تاباں کی آنکھیں چھلک پڑی تھیں۔

''پلیز انابیہ، مجھے معاف کردو، سچ مچ میں تمھاری اس سچی دوستی کے بغیر ادھوری ہوں۔میرا وعدہ ہے تم سے کہ میں اب اپنے اس دوستی کے رنگ کو کبھی بھی پھیکا نہیں پڑنے دوں گی..... مجھے اب کوئی بھی تمھارے خلاف بھڑکائے میں کسی کا بھی اعتبار نہیں کروں گی۔میں اپنی دوستی میں وفاداری، خلوص، محبت، اتحاد اور قربانی کے رنگ بھر کے اپنی دوستی کے رنگوں کو اور مضبوط کروں گی''

تاباں نے روتے ہوئے کہا تو، انابیہ بھی بھیگی پلکوں سمیت مسکرادی۔ایسی خوبصورت مسکراہٹ جوان کی دوستی کے رنگوں کا اعزاز تھی۔انابیہ نے تاباں کو گلے لگایا تو تاباں پرسکون ہوگئی۔جب ان کی کلاس میں اسوڈنٹ نے انھیں دوبارہ سے یونہی دوستی کے رنگ میں رنگتے دیکھا تو سب نے تالیاں بجائیں جبکہ عبیرہ اور اس کی دوست شرمندہ سی کھڑی تھیں۔ عبیرہ تو اب ان سے نظریں ملانے کے قابل بھی نہیں تھی۔وہ خود اپنی ہی نظروں میں گر گئی تھی۔

پیارے دوستو! آپ بھی اپنی دوستی کے رنگوں کی حفاظت کیجیے کہیں آپ کے 'دوستی کے رنگ' کسی غلط فہمی کی وجہ سے ماند نہ پڑ جائیں۔

■

Rumana Iffat Rahi Shaikh Bilal
Hirapura, Near Masjid Darus Salam
(A.C. Fruit Colony), Achalpur City
Distt.: Amravati - 444806 (MS)

جوابات

(اردو زبان کا جادو)

(4) حروف سے تصویریں:

(1) ل (2) ن (3) ب (4) م (5) ع (6) س (7) ے

سید حمزا انور علی

عالمی کپ میں ہیٹ ٹرک

کرکٹ میں لگاتار تین بالوں پر تین وکٹ حاصل کرنے کو ہیٹ ٹرک کہا جاتا ہے۔ ابھی تک ایک روزہ بین الاقوامی کرکٹ میں 43 بالروں نے 48 ہیٹ ٹرک انجام دی ہیں۔ سری لنکا کے لاستھ ملنگا نے تین ہیٹ ٹرک کی ہیں جبکہ سری لنکا کے چمندا واس اور پاکستان کے وسیم اکرم اور ثقلین مشتاق دو دو مرتبہ ایسا کرنے میں کامیاب رہے ہیں۔

تیز بالر محمد سمیع عالمی کپ میں ہیٹ ٹرک کرنے والے بالروں میں جگہ بنانے میں کامیاب ہوگئے ہیں۔ انھوں نے افغانستان کے خلاف ساوتھمپٹن میں کھیلے گئے میچ میں آخری اوور میں محمد نبی کو ہاردک پانڈیہ کے ہاتھوں کیچ کرانے کے بعد آفتاب عالم اور مجیب الرحمان کو بولڈ کرکے ایسا کیا۔

عالمی کپ میں ہیٹ ٹرک کرنے والے محمد سمیع ہندوستان کے دوسرے اور کل ملا کر نویں بالر بنے۔ محمد سمیع کے بعد نیوزی لینڈ کے تیز بالر ٹرینٹ بولٹ نے ہیٹ ٹرک کی۔

ابھی تک عالمی کپ میں گیارہ ہیٹ ٹرک ہوئی ہیں۔ سری لنکا کے لاستھ ملنگا ایسے واحد بالر ہیں جنھوں نے عالمی کپ میں دو ہیٹ ٹرک کی ہیں۔

ایک روزہ بین الاقوامی کرکٹ میں ابھی تک 40 بالروں نے 45 ہیٹ ٹرک انجام دی ہیں۔ سری لنکا کے لاستھ ملنگا نے تین ہیٹ ٹرک کی ہیں جبکہ سری لنکا کے چمندا واس اور پاکستان کے وسیم اکرم اور ثقلین مشتاق دو دو مرتبہ ایسا کرنے میں کامیاب رہے ہیں۔

پاکستان کے جلال الدین کو ایک روزہ بین الاقوامی کرکٹ میں پہلی ہیٹ ٹرک کرنے کا اعزاز حاصل ہے۔ انھوں نے آسٹریلیا کے خلاف پاکستان کے شہر حیدرآباد میں 20 1982 کو لگاتار تین بالوں پر راڈ مارش، بروس یاڈلی اور جیف لاسن کو اپنا شکار بنایا تھا۔

عالمی کپ میں پہلی ہیٹ ٹرک ہندوستان کے تیز گیند باز

چیتن شرما نے نیوزی لینڈ کے خلاف ناگپور میں 31 اکتوبر 1987 کو کی تھی۔ انھوں نے تینوں بلے بازوں کو بولڈ کیا تھا۔ اس ہیٹ ٹرک کے لگ بھگ بارہ سال بعد پاکستان کے آف اسپنر ثقلین مشتاق زمبابوے کے خلاف اوول میں 11 جون 1999 کو ہیٹ ٹرک کرنے میں کامیاب رہے۔

سری لنکا کے تیز بالر چمنڈا واس نے بنگلہ دیش کے خلاف پیٹر مارٹیز برگ میں 14 فروری 2003 کو کھیلے گئے میچ میں ایسا کیا تھا۔ اسی عالمی کپ میں آسٹریلیا کے تیز بالر بریٹ لی نے کینیا کے خلاف ڈربن میں 15 مارچ 2003 کو ہیٹ ٹرک بنائی تھی۔

سری لنکا کے لاستھ ملنگا نے عالمی کپ میں اپنی پہلی ہیٹ ٹرک جنوبی افریقہ کے خلاف پروڈینس میں 28 مارچ 2007 کو کی تھی۔ اس ہیٹ ٹرک کے باوجود انکی ٹیم کو ایک وکٹ سے شکست ہوئی تھی۔ انھوں نے دو اوور میں یہ ہیٹ ٹرک مکمل کی تھی اور چار بالوں میں چار کھلاڑیوں کو پویلین کا راستہ دیکھایا تھا۔

ویسٹ انڈیز کے تیز بالر قیمار روچ نے ہالینڈ کے خلاف دہلی میں 28 فروری 2011 کو کھیلے گئے میچ میں لگاتار تین بالروں پر تین کھلاڑیوں کا آوٹ کیا تھا۔ انھوں نے تینوں کھلاڑیوں کو بغیر کسی مدد کے آوٹ کیا۔ دو کھلاڑیوں کو انھوں نے ایل بی ڈبلیو اور ایک کو بولڈ کیا تھا۔

لاستھ ملنگا نے اپنی دوسری ہیٹ ٹرک کینیا کے خلاف کولمبو میں یکم مارچ 2011 کو کی تھی ۔ اس ہیٹ ٹرک میں انھوں نے کسی دوسرے کھلاڑی کی مدد نہیں لی تھی ۔ دو کھلاڑیوں کو انھوں نے بولڈ کیا تھا جبکہ ایک کھلاڑی ایل بی ڈبلیو ہوا تھا۔ اس میچ میں سری لنکا نے نو وکٹ سے کامیابی حاصل کی تھی۔

انگلینڈ کے تیز بالر اسٹیفن فن نے آسٹریلیا کے خلاف ملبورن میں 14 فروری 2015 کو ہیٹ ٹرک کی تھی۔ انھوں نے تینوں بلے بازوں کو کیچ کرایا تھا۔ اس میچ میں وہ دس اوور میں 71 رن دیکر پانچ کھلاڑیوں کو آوٹ کرنے میں کامیاب رہے تھے مگر پھر بھی ان کی ٹیم کو شکست ہوئی تھی۔

جنوبی افریقہ کے جین پال ڈومنی بھی عالمی کپ میں ہیٹ ٹرک کرنے والوں میں شامل ہیں۔ انھوں نے سری لنکا کے خلاف سڈنی میں 18 مارچ 2015 کو یہ کارنامہ انجام دیا تھا اور اپنی ٹیم کو نو وکٹ سے جیت دلائی تھی۔

محمد سمیع کے بعد نیوزی لینڈ کے تیز بالر ٹرینٹ بولٹ عالمی کپ میں ہیٹ ٹرک کرنے والے بالروں میں جگہ بنانے میں کامیاب ہوئے ۔ انھوں نے آسٹریلیا کے خلاف لارڈز میں 29 جون کو کھیلے گئے میچ میں آخری اوور میں عثمان خواجہ اور مچل اسٹارک کو بولڈ اور جیسن بہرنڈروف کو ایل بی ڈبلیو کرکے ایسا کیا۔ عالمی کپ میں ہیٹ ٹرک کرنے والے ٹرینٹ بولٹ نیوزی لینڈ کے پہلے اور کل ملاکر دسویں بالر بنے۔

لاستھ ملنگا نے ایک روزہ بین الاقوامی میچوں میں تین ہیٹ ٹرک کی ہیں جس میں سے دو ہیٹ ٹرک انھوں نے عالمی کپ میں کی ہے۔ انھوں نے تیسری ہیٹ ٹرک کولمبو میں 22 اگست 2011 کو آسٹریلیا کے خلاف کی تھی اور سری لنکا کو چار وکٹ سے جیت دلائی تھی۔ اسی میدان پر انھوں نے اپنی دوسری ہیٹ ٹرک بھی کی تھی۔

ابھی تک تین بالروں نے اپنے پہلے ایک روزہ بین الاقوامی

میچ میں ہیٹ ٹرک کی ہے۔ ایسا کرنے والے پہلے بالر بنگلہ دیش کے تاج الاسلام تھے۔ تاج الاسلام نے زمبابوے کے خلاف ڈھاکہ میں یکم دسمبر 2014 کو ہیٹ ٹرک کی تھی۔ ان کے بعد جنوبی افریقہ کے گیسکو ربادا نے 10 جولائی 2015 کو ڈھاکہ میں بنگلہ دیش کے خلاف ایسا کیا تھا۔ سری لنکا کے لیگ اسپنر ونیڈو ہاسارنگا نے زمبابوے کے خلاف گول میں 2 جولائی 2017 کو کھیلے گئے میچ میں آخری تین کھلاڑیوں کو آوٹ کرکے یہ کارنامہ انجام دیا۔ وہ کسی دوسرے کھلاڑی کی مدد کے بغیر ایسا کرنے میں کامیاب ہوئے تھے۔

سب سے چھوٹی عمر میں ہیٹ ٹرک کرنے کا اعزاز پاکستان کے عاقب جاوید کے پاس ہے جنھوں نے ہندوستان کے خلاف شارجہ میں 25 اکتوبر 1991 کو ایسا کیا تھا اس وقت ان کی عمر 19 سال 81 دن تھی۔ ثقلین مشتاق نے جب پشاور میں 3 نومبر 1996 کو ہیٹ ٹرک کی تھی تو وہ 19 سال 310 دن کے تھے۔

جنوبی افریقہ کے عمران طاہر سب سے بڑی عمر میں ہیٹ ٹرک کرنے والے بالر تھے۔ انھوں نے زمبابوے کے خلاف بلومفنٹن میں 3 اکتوبر 2018 کو جب ہیٹ ٹرک کی تھی تو وہ 39 سال اور 190 دن کے تھے۔

زمبابوے کے خلاف ابھی تک آٹھ ہیٹ ٹرک ہوئی ہیں۔ کسی دوسری ٹیم کے خلاف ایک روزہ بین الاقوامی کرکٹ میں اتنی ہیٹ ٹرک نہیں ہوئی ہیں۔

سری لنکا میں آٹھ مرتبہ ہیٹ ٹرک ہوئی ہے۔ اتنی ہیٹ ٹرک کسی دوسرے ملک میں نہیں ہوئی ہیں۔ آسٹریلیا اور انگلینڈ میں چھ چھ مرتبہ بنگلہ دیش، متحدہ عرب امارات اور ہندوستان میں پانچ پانچ، جنوبی افریقہ میں چار مرتبہ، زمبابوے اور ویسٹ انڈیز میں تین تین اور پاکستان میں دو ہیٹ ٹرک ہوئی ہیں۔ نیوزی لینڈ میں ایسا صرف ایک مرتبہ ہوا ہے۔ ■

Syed Hamza Anwar Ali
1716 Rod Gran, Lal Kuan
Delhi - 110006

اردو زبان کا جادو

چوتھی قسط

پیارے دوستو! 'بچوں کی دنیا' آپ سب کا اپنا رسالہ ہے۔ ہماری کوشش رہتی ہے کہ رسالے میں زیادہ سے زیادہ دلچسپ اور کارآمد تحریریں شائع کی جائیں۔ اِس رسالے کی اشاعت کا سب سے اہم مقصد یہ ہے کہ ہم اپنی زبان اردو کو فروغ دیں اور زیادہ سے زیادہ لوگ اس زبان کو سیکھیں۔ کسی بھی زبان کو سیکھنے کے لیے اگر اس میں کھیل اور مزے کو شامل کرلیا جائے تو سیکھنے میں دلچسپی بڑھ جاتی ہے۔ ہم اردو زبان کے لسانی کھیلوں پر مشتمل ایک سلسلہ دے رہے ہیں جو قومی اردو کونسل سے شائع کتاب 'اردو زبان کا جادو' سے لیا گیا ہے۔ امید ہے کہ آپ سب اس سلسلے کو پسند کریں گے۔ (ادارہ)

اِس ذہنی آزمائش کے جوابات اِسی شمارے میں آپ کو مل جائیں گے۔

(3) حروف سے تصویریں

مقصد : حروف کی شکلیں ذہن نشین کرانا

ہدایت : مثال کے مطابق مناسب حروف کی نشاندہی کیجیے جو اس تصویر کو مکمل کرسکے۔

کھلاڑی : 1 وقت : 4 منٹ نمبر : 8

مثال

ح ن و

م س ل

ن ڈ د

ق ب ر

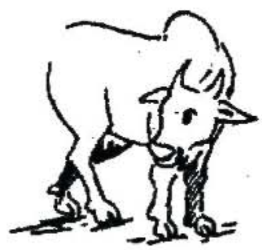

ک م ل

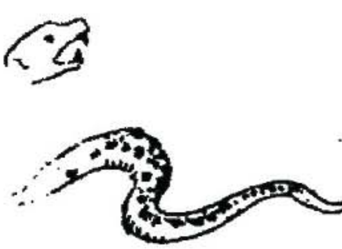

م ع د

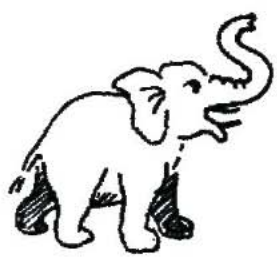

ہ س ح

ے ف ع

جوابات اسی شمارے میں تلاش کریں

ماخذ: اردو زبان کا جادو (پارٹ 1)، ادارہ، سنہ اشاعت: تیسری طباعت 2009
ناشر: قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان، نئی دہلی

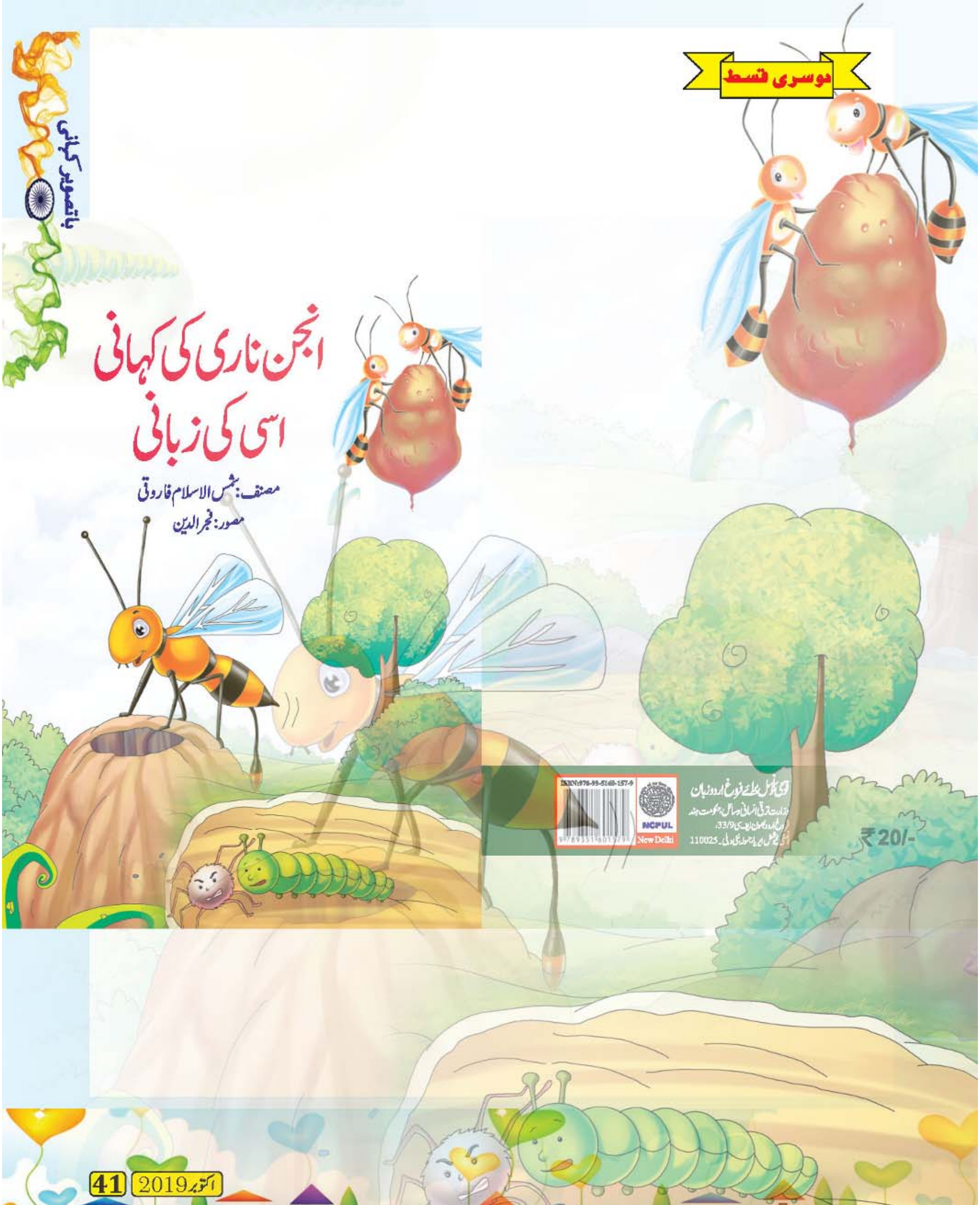
دوسری قسط
باتصویر کہانی
انجن ناری کی کہانی
اسی کی زبانی
مصنف: شمس الاسلام فاروقی
مصور: فجر الدین
قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان
NCPUL
New Delhi
₹ 20/-

مجھے بڑی خوشی ہوئی اور میں سوراخ سے جلدی جلدی باہر نکل آئی ۔مگر ہائے ری قسمت ۔ میں ایک کوٹھری سے نکلی تو دوسری میں پہنچ گئی ۔ یہ کوٹھری بھی پہلی کی طرح چاروں طرف سے بند تھی لیکن اس میں جگہ زیادہ تھی ۔ میں نے اس کوٹھری میں گھومنا شروع کر دیا۔ وہاں دیکھا تو ایک کونے میں ایک موٹی تازی مکڑی بے ہوش پڑی تھی ۔

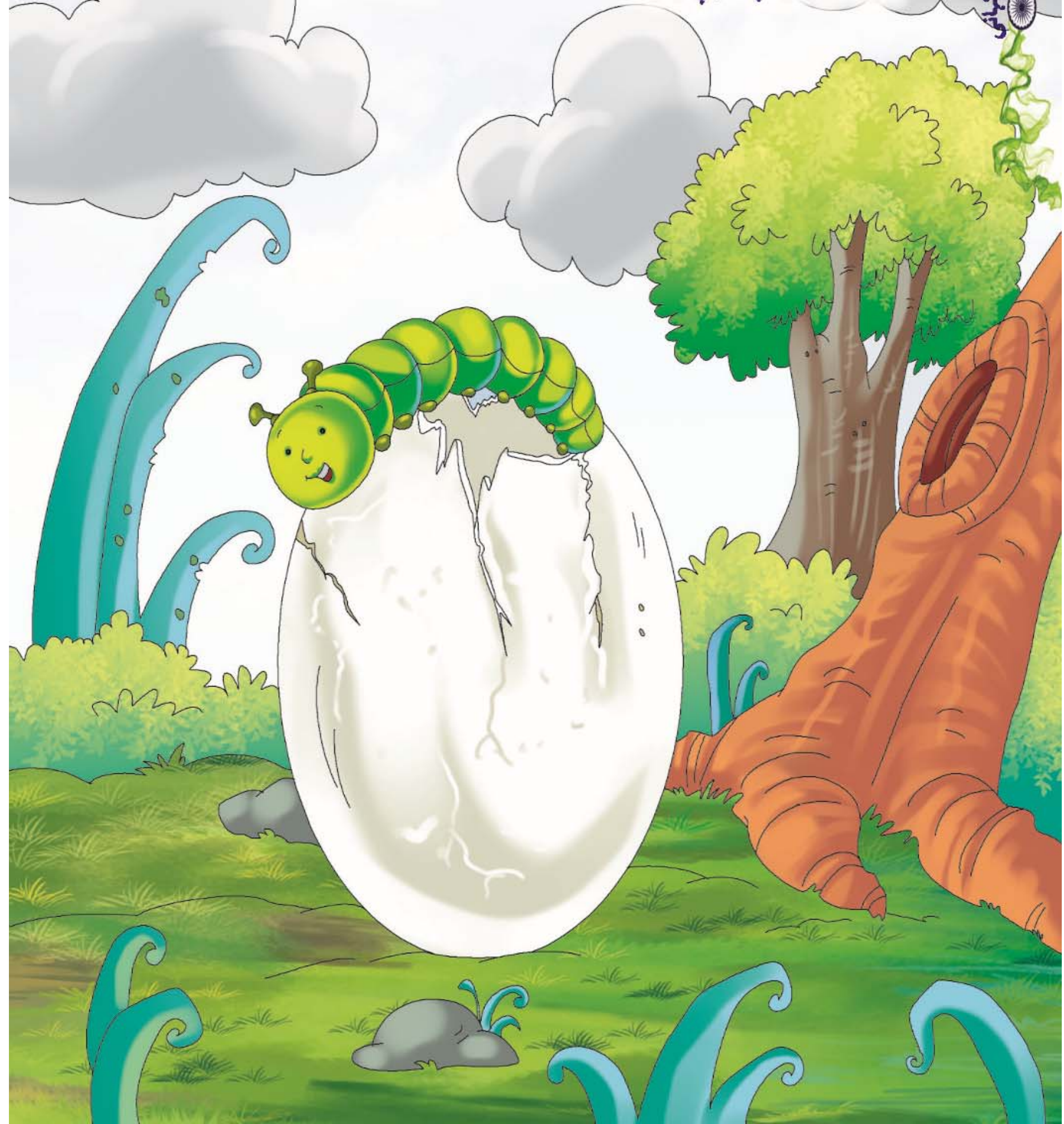

مجھے کیونکہ بھوک لگ رہی تھی اور میرے پاس کھانے کو کچھ نہیں تھا اس لیے یہ مکڑی میرے لیے کسی نعمت سے کم نہیں تھی۔ میں نے خدا کا شکرادا کیا اور آگے بڑھ کر اپنے دانت مکڑی کے نرم نرم جسم میں گاڑ دیے۔ مکڑی کا گوشت نہ صرف مزے دار تھا بلکہ بہت سا تھا۔ میں روز پیٹ بھر کر اس کا گوشت کھاتی اور پھر کوٹھری میں ٹہلا کرتی۔ کچھ ہی دن میں میرا قد بڑا ہو گیا اور میں موٹی تازی ہو گئی۔ اب میں کسی موٹی رسی کے ٹکڑے کی طرح ہو گئی تھی۔

پھر اچانک ہی میری طبیعت سست رہنے لگی اور کھانے کی خواہش بھی کم ہوتے ہوتے بالکل ختم ہوگئی۔ مجھے لگا میں بیمار ہورہی ہوں۔ مکڑی بھی ختم ہوچکی تھی۔ میں نے سوچا کہ اچھا ہوا میری بھوک ختم ہوگئی۔ اگر بھوک رہتی تو میں کھاتی کیا۔ اِدھر طبیعت سست ہوئی اُدھر میرا جسم سکڑ کر چھوٹا ہونے لگا۔ اس کے علاوہ بھی جسم میں کچھ تبدیلیاں ہونے لگیں۔ پہلے میرا جسم اوپر سے نیچے تک ایک جیسا تھا مگر اب اس میں تین حصے صاف نظر آرہے تھے۔ اگلا حصہ جو سر تھا کچھ گول سا ہوگیا تھا۔ اس کے ایک دم پیچھے کا حصہ کچھ بڑا مگر چوڑا ہوگیا تھا اور اس میں اوپر کی طرف چار چھوٹے چھوٹے پیر اور نیچے کی طرف چھ جوڑ دار پیر نکل آئے تھے۔ اس کے بعد کا حصہ لمبا ٹیوب جیسا تھا جو چوڑا ہوکر آخر میں پتلا اور نوکیلا ہوگیا تھا۔ اب میری بھوک بالکل ختم ہوچکی تھی اور ہر وقت نیند آتی رہتی تھی۔ میرے چاروں طرف ایک غول بھی بن گیا تھا جس نے مجھے پوری طرح ڈھانپ لیا تھا۔

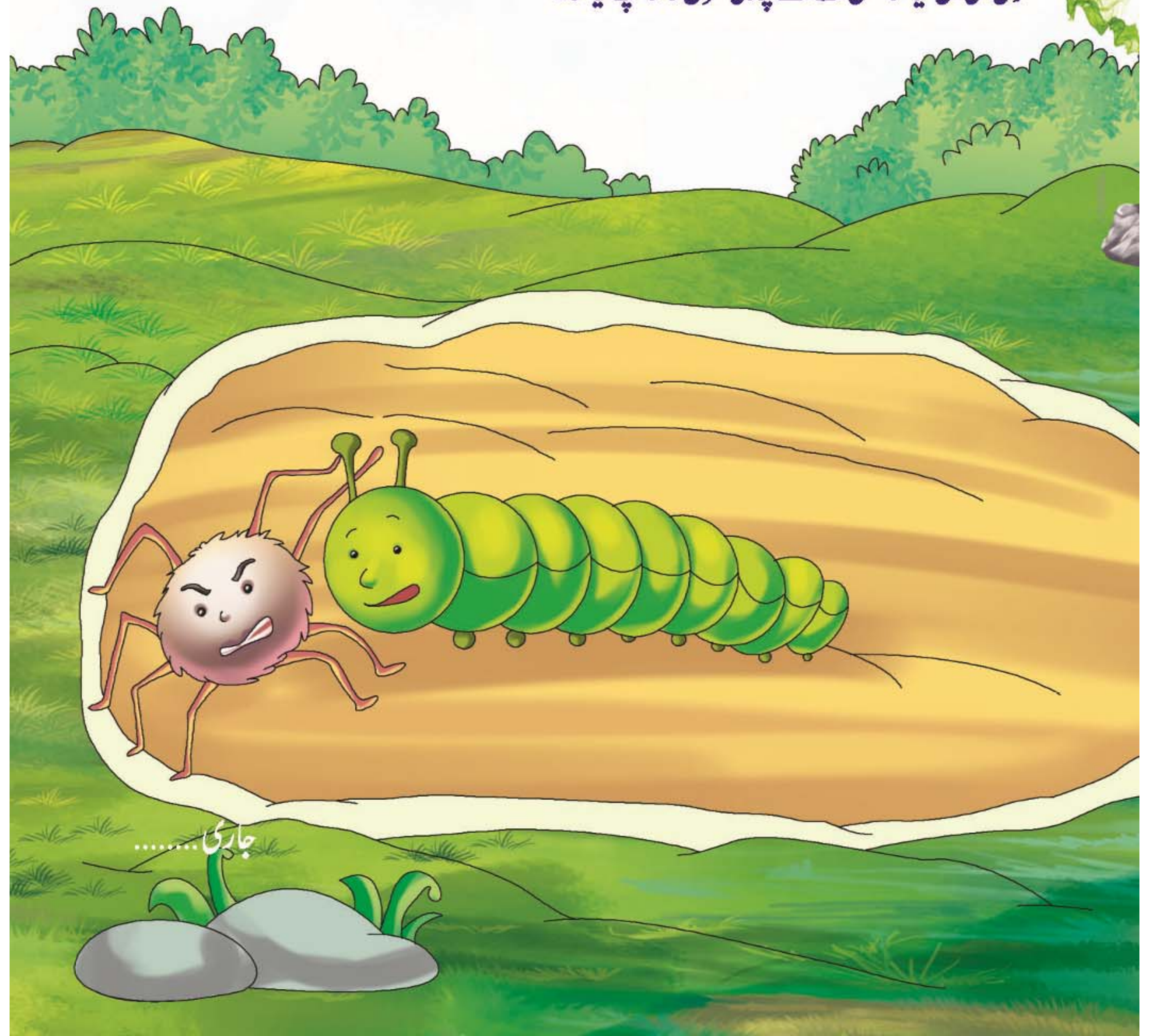

جاری........

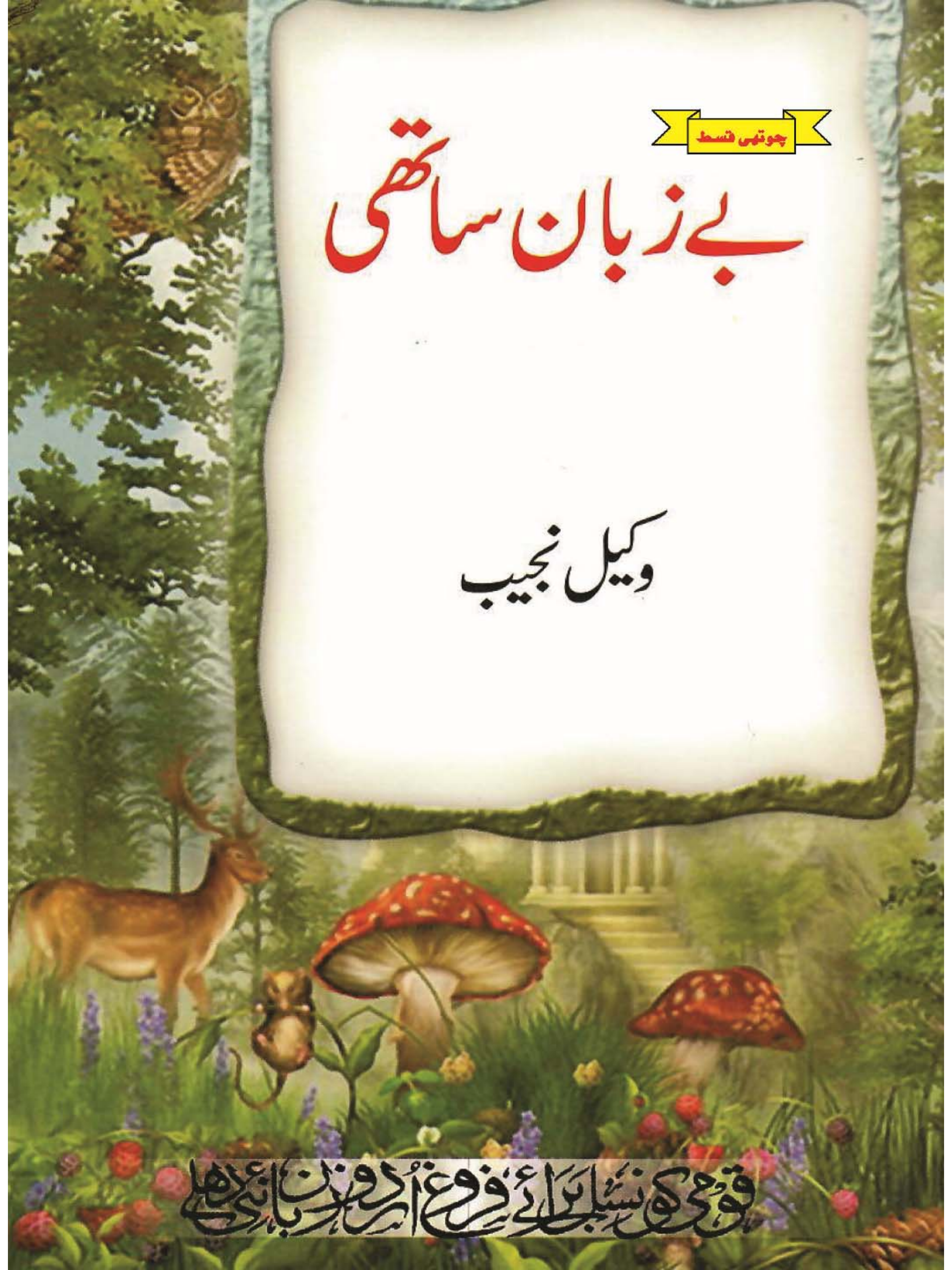
چوتھی قسط
بے زبان ساتھی
وکیل نجیب
قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان، دہلی

پیارے دوستو! ابھی تک آپ نے پڑھا کہ ایک گاؤں میں خدیجہ نام کی ایک غریب عورت رہتی تھی اُس کا ایک بیٹا جنید تھا۔ جنید کے گاؤں پر ڈاکوؤں نے حملہ کردیا اور اس کی ماں کو مار دیا۔ جنید نے اس حادثے کے بعد گاؤں چھوڑ دیا اور سفر پر روانہ ہوگیا۔وہ ایک جنگل میں پہنچتا ہے جہاں اسے ایک بزرگ آدمی ملتا ہے۔ بوڑھے آدمی نے جنید کو کھانا دیا۔ جنید نے اپنے کھانے میں سے تھوڑا سا حصہ وہاں کھڑے ایک کتے کو بھی کھلا دیا۔ جنید پھر جنگل کا رخ کرتا ہے۔ وہ کتا بھی اس کے ساتھ چل پڑتا ہے جس کو جنید نے کھانا کھلایا تھا۔ جنگل میں‌ایک گھوڑے کو جنگلی جھاڑیوں میں پھنسا ہوا دیکھ کر جنید اور کتے نے اس گھوڑے کی مدد کی۔گھوڑا بھی اب جنید کا ساتھی بن گیا۔ کچھ دور چلنے پر جنید کو ایک تلوار ملتی ہے۔ یہ تینوں لوگ جنگل کے راستے پر بڑھتے جاتے ہیں۔ آگے ایک ندی پر جنید پانی پینے کے لیے رکا۔ اسی درمیان پیچھے سے ایک خونخوار شیر کے دھاڑنے کی آواز آئی۔ شیر جنید پر حملہ کرنے ہی والا تھا کہ کتے نے شیر پر حملہ کردیا لیکن بیچارہ کتا بے موت مارا گیا۔ جنید نے تلوار سے شیر کو مار گرایا۔ آگے کے سفر میں جنید کو ایک زخمی باز ملا جس کی مرہم پٹی کرنے کے بعد جنید نے اسے اپنے ساتھ رکھ لیا۔ جنگل سے گزر کر ایک میدانی علاقے میں پہنچنے پر جنید کو ایک بوڑھا بیمار مداری ملتا ہے۔ جنید نے اس بوڑھے مداری کی مدد کی اور اسے دوا لاکر دی۔ بوڑھے مداری کو جنید اپنے گھر پر ہی روک لیتا ہے۔ جنید اپنے ساتھ گزرے واقعات سناتا ہے جسے سن کر بوڑھا، جنید کو بادشاہ کے دربار میں لے جاتا ہے۔ بادشاہ نے گھوڑا اور تلوار پہچان لی کہ یہ اس کے شہزادے کی ہے۔ بادشاہ اور پوراشہر سوگ میں ڈوب گیا کہ شہزادے کو جنگل میں کسی جنگلی جانور نے مار دیا اور اس کا گھوڑا اور تلوار جنید کو ملے تھے۔ دربار سے واپس آکر جنید بوڑھے مداری اور اس کے بندر کے ساتھ رہنے لگا اور کھیل تماشے دکھانے لگا۔دو مہینوں کے بعد بوڑھے مداری کی موت ہوجاتی ہے۔ اب جنید ہی بوڑھے مداری کا وارث تھا اور وہ اکیلا بندر اور باز کے ساتھ تماشے دکھاتا اور جو بھی ملتا اس میں گزر بسر کرتا۔

ایک دن اُس نے بازار میں اعلان سنا کہ ملکہ شہزادے کی موت کی خبر سن کر بہت بیمار ہوگئی ہے اور اس کا علاج زہریلی پہاڑی سے کندن بوٹی لاکر ہی کیا جاسکتا ہے۔ جنید یہ سن کر زہریلی پہاڑی کے سفر پر نکلنے کی ٹھان لیتا ہے۔ جنید راج محل میں جاکر راجہ کو خبر دیتا ہے کہ وہ کندن بوٹی لانے جارہا ہے۔ بادشاہ نے جنید کو اس خطرناک سفر پر جانے سے روکتا ہے لیکن جنید اپنے دوستوں بندر اور باز کو لے کر اس خرناک سفر پر نکل پڑتا ہے۔ اب آگے...

جنید کچھ اتنا زیادہ تھک گیا تھا کہ جیسے ہی وہ لیٹا اسے بڑی گہری نیند آ گئی۔ نہ بھوک کا احساس ہوا نہ کھلے آسمان کا، بس جو گرا تو گہری نیند میں ڈوب گیا۔ طوفانی ندی کا شور بھی اس کی نیند میں خلل ڈال نہ سکی۔ صبح تک اطمینان سے سوتا رہا۔ جب سورج کی کرنیں اس کے چہرے پر پڑیں تو وہ آنکھیں ملتا ہوا اٹھ بیٹھا۔ بڑی میٹھی نیند رات بھر سوتا رہا تھا اور سفر کی ساری تھکان دور ہو چکی تھی اور پھر سے وہ تر و تازہ اور چست ہو گیا تھا۔ اس نے ندی کے پانی سے بہ مشکل ہاتھ منھ دھویا کیونکہ پانی اتنی تیزی سے بہہ رہا تھا کہ اسے ہاتھ لگاتے ہوئے ڈر لگ رہا تھا اور پانی کے بہنے سے اس قدر شور ہو رہا تھا کہ کوئی دوسری آواز سنائی نہیں دے رہی تھی۔ منھ ہاتھ دھو کر وہ اپنے تھیلے کے پاس آیا اس میں سے اس نے کھانے کی کچھ چیزیں نکالیں۔ خود کھایا بندر اور باز کو کھلایا۔ بندر اور باز جنید کے چہرے پر نظریں لگائے ہوئے بیٹھے تھے۔ یوں لگتا تھا کہ وہ اس کے حکم کا انتظار کر رہے ہوں۔ کھانا کھا لینے اور پانی پی لینے کے بعد جنید نے لوہے کے تار کا لچھا نکالا اور اس کے ایک سرے پر کانٹوں کا لچھا مضبوطی سے باندھ دیا اور باز کو اشارہ کیا کہ وہ اسے لے کر اڑے، باز نے لچھے کو اپنے پنجوں سے پکڑ لیا اور نہایت پھرتی سے اڑتا ہوا کافی اونچائی تک چلا گیا۔ بندر اور جنید اسے اڑتا ہوا دیکھتے رہے، پھر جنید نے اشارہ کیا اور باز تار اور کانٹے کے لچھے کے ساتھ اطمینان سے زمین پر اتر آیا اور جہاں اشارہ کیا وہاں رکھ دیا۔ جنید یہ دیکھنا چاہتا تھا کہ باز اتنا وزن اٹھا پاتا ہے یا نہیں لیکن تار اور کانٹوں کے لچھے کا وزن بندر سے کم ہی تھا۔ اس لیے باز کے لیے یہ کام مشکل نہیں تھا۔ اس طرف سے مطمئن ہو کر جنید نے زہریلی پہاڑی کو غور سے دیکھا جو ندی سے بالکل ملی ہوئی تھی اور مختلف جگہوں سے کٹی ہوئی تھی۔ اچھی طرح سے دیکھنے کے بعد جنید نے اس حصے کو چنا جہاں پر پہاڑی میں بہت سے شگاف تھے۔ اس نے تار کا وہ سرا جس میں کانٹوں کا لچھا بندھا ہوا تھا۔ باز کے پنجوں میں پکڑا دیا اور اشارے سے اسے سمجھایا کہ ندی کی اس سمت پہاڑی کے شگافوں میں یہ کانٹوں کا لچھا اسے رکھنا ہے۔ باز کو اچھی طرح سمجھا دینے کے بعد جنید نے اسے اڑنے کا اشارہ کیا، باز کانٹوں کا لچھا لے کر اڑا اور تیزی سے ندی کو پار کرتا ہوا دوسرے کنارے پر پہنچ گیا اور جنید کی بتلائی ہوئی جگہ پر کانٹوں کے گچھے کو چھوڑ دیا اور خود ایک طرف بیٹھ گیا۔ جنید نے تار کو آہستہ آہستہ کھینچنا شروع کیا۔ لچھا تھوڑا آگے بڑھا اور چٹانوں کی ایک دراز میں کانٹے اٹک گئے۔ جنید نے تار کو اچھی طرح کھینچ کر اطمینان کر لیا کہ وہ مضبوطی سے شگاف میں فٹ ہو گئے ہیں۔ اس طرف سے مطمئن ہو کر تار کا دوسرا سرا لے کر وہ ایک اونچے درخت پر چڑھ گیا اور سب سے اونچی مضبوط شاخ میں تار کو اچھی طرح باندھ دیا۔ اس کے بعد درخت سے نیچے اتر کر آیا۔ اس نے لوہے کے جوتے اور زرہ بکتر پہنے، اپنی حفاظت کے لیے ایک خنجر اور کندن بوٹی رکھنے کے لیے ایک لوٹا کمر سے باندھ لیا جس میں تھوڑا سا پانی تھا۔ اس طرح پوری طرح تیار ہو کر اس نے آہستہ آہستہ درخت پر چڑھنا شروع کیا۔ زرہ بکتر کی وجہ سے اسے درخت پر چڑھنے میں بڑی مشکل ہو رہی تھی، لیکن کسی نہ کسی طرح اس شاخ تک پہنچ گیا جس میں تار باندھا تھا۔ اس نے تار میں ایک گھرّی پھنسائی اور اس میں ایک مضبوط تار ڈال کر اسے دونوں ہاتھوں سے پکڑ کر تار پر لٹک گیا۔ درخت کا سرا چونکہ اونچا تھا اور تار کا وہ سرا جو شگاف سے جڑا ہوا تھا نیچا تھا۔ اس لیے وہ بہت تیزی سے پھسلتا ہوا آگے بڑھنے لگا۔ طوفانی ندی کے اوپر سے جب گزرا تو اسے بڑا خوف محسوس ہوا لیکن اس نے آنکھیں بند کر لیں اور گھرّی سے پھسلتا ہوا دوسری سمت زہریلی پہاڑی

سے جا ٹکرایا لیکن زرہ بکتر پہنے ہوئے تھا اس لیے اسے کچھ زیادہ چوٹ نہیں آئی۔ پھر اس نے گھرّ ی والے تار کو چھوڑ دیا اور شگاف میں ہاتھ ڈال کر وہ پہاڑی پر چڑھ گیا۔ باز وہیں پر بیٹھا ہوا تھا۔ جب اس نے اپنے مالک کو دیکھا تو اس کی آنکھیں خوشی سے چمکنے لگیں۔ دھیرے دھیرے وہ پہاڑی پر پہنچ گیا۔ پہاڑی پر جب پہنچا تو اسے چاروں طرف سانپ اور بچھو رینگتے ہوئے نظر آئے۔ کچھ تو اس کی آہٹ سن کر بلوں میں گھُس گئے، ایک دو نے اسے کاٹنے کی کوشش کی لیکن لوہے کے جوتے کی وجہ سے وہ بالکل محفوظ رہا۔ جب کوئی زہریلا جانور اس کے قریب آتا تو وہ اپنے لوہے کے مضبوط جوتوں سے اسے کچل دیتا۔ ان زہریلے جانوروں کی پروا کیے بغیر وہ کندن بوٹی کی تلاش میں لگ گیا، آخر کافی دیر کے بعد اُسے ایک جگہ وہ سنہری بوٹی دکھائی دی جسے دیکھ کر اسے بے حد خوشی ہوئی۔ اس نے دو تین سنہرے پھول جو پودے میں لگے تھے انھیں توڑ کر لوٹے میں رکھ لیا چونکہ دینوکا کا نے اسے بتایا تھا کہ پانی میں یہ بوٹی کئی دن تک خراب نہیں ہوسکتی اس لیے اس نے لوٹے میں پانی رکھ لیا تھا۔ کچھ فاصلے پر ایک اور پودا نظر آیا اور اس میں بھی تین چار پھول لگے ہوئے تھے۔ انھیں بھی توڑ کر لوٹے میں ڈال دیا پھر اس نے باز کو اشارے سے سمجھایا کہ ایسے پھول جہاں کہیں ہوں توڑ کر لائے۔ اڑتا ہوا ہوگیا اور تھوڑی دیر میں تین چار پھول لے کر واپس آیا، انھیں بھی اس نے لوٹے میں رکھ لیا۔ کچھ اور پھول لانے کے لیے باز کو روانہ کیا۔ اتنے میں پیچھے سے ایک بہت بڑا اور موٹا اژدھا آیا اور اس نے جنید کے پیروں کو جکڑ لیا۔ اس نے کسی طرح لوٹے کو ایک طرف رکھا اور اژدھے کی گرفت سے بچنے کی کوشش کرنے لگا لیکن اژدھا بہت بڑا اور طاقتور تھا، اس نے اس کی دونوں ٹانگوں کو اپنی لپیٹ میں لے لیا اور اسے سنبھلنے کا موقع ہی نہیں مل رہا تھا، اتنے میں باز واپس آگیا، اس نے اپنے مالک کو اژدھے کی گرفت میں دیکھا تو کندن بوٹی کو وہیں چھوڑ دیا اور اپنی چونچ سے اژدھے کے اوپر حملہ کرنے لگا لیکن اژدھے کی کھال بہت سخت تھی، اس لیے باز کی چنچوں کا اس پر کچھ بھی اثر نہ ہوا، تب جنید نے باز کو اژدھے کی آنکھ پر چونچ

مارنے کا اشارہ کیا، اس نے فوراً اس پر عمل کیا، اتفاق سے پہلے وار میں ہی اس کی ایک آنکھ باز کی چونگ میں آگئی اور وہاں سے خون بہنے لگا۔ اب تو اژدھا غصہ سے پاگل ہوگیا اور اس نے زور زور سے جنید کو چکر دینے شروع کیے۔ اسی وقت باز نے اس کی دوسری آنکھ پر حملہ کردیا اور اژدھا بالکل اندھا ہوگیا۔ تکلیف سے تھوڑی دیر کے لیے اس کی گرفت ڈھیلی پڑی بس اسی وقت جنید نے اپنی کمر سے خنجر نکال لیا اور پے در پے کئی وار اژدھے کے اوپر کیے۔ جگہ جگہ سے اس کا جسم کٹ گیا اور تھوڑی دیر میں اژدھا بے جان ہوگیا۔ اس کی گرفت ڈھیلی ہوئی تو جنید اٹھ کھڑا ہوا۔ بوٹیاں کافی ہوگئی تھیں اس لیے اب واپس چلنے کی تیاری کرنے لگا۔

جنید نے خنجر اور لوٹے کو اچھی طرح کمر سے باندھا اور آہستہ آہستہ اترتا ہوا اس شگاف تک آیا جہاں کانٹوں کا لچھا پھنسا ہوا تھا۔ وہاں سے اس نے کانٹوں کے لچھے کو نکالا اور پھر اسے لے کر اوپر ہی اوپر چڑھنے لگا۔ پہاڑی پر کافی اوپر پہنچ جانے کے بعد جب وہ سرا درخت کے سرے سے اونچا ہوگیا تو اس نے پھر ایک شگاف میں لچھے کو اچھی طرح پھنسا دیا پھر تار پر گھری رکھ دی اور اس میں اسی مضبوط تار سے لٹک گیا اور تیزی سے پھسلتا ہوا پھر اسی درخت پر واپس چلا آیا باز بھی اڑتا ہوا اسی کے ساتھ ساتھ میدان میں واپس چلا آیا۔

درخت پر آجانے کے بعد جنید نے درخت کے اوپر بندھا ہوا تار کھول دیا اور درخت سے نیچے اتر آیا اس کا ساتھی بندر اس وقت تک سامان کے پاس بیٹھا ہوا سامان کی نگرانی کرتا رہا۔ درخت سے نیچے اتر آنے کے بعد جنید نے زرہ بکتر اور لوہے کے جوتے اتارے۔ اب اس نے بڑا آرام محسوس کیا کیونکہ ان کا وزن بہت زیادہ تھا اور اس کو بڑی تکلیف ہو رہی تھی۔ اب اسے اس تار کو زہریلی پہاڑی سے واپس لانا تھا۔ ایک سرا تو اس کے پاس تھا لیکن دوسرے سرے کا کانٹوں کا لچھا شگاف میں پھنسا ہوا تھا اسے واپس لانے کے لیے اس نے اشاروں سے باز کو سمجھایا، باز نے اس کی بات سمجھ لی اور طوفانی ندی کو پار کرتا ہوا اس شگاف کے پاس پہنچا اور اپنی چونچ کی مدد سے کانٹوں کے لچھے کو نکالنے کی کوشش کرنے لگا لیکن لچھا اس طرح شگاف میں پھنسا ہوا تھا کہ باز کی متواتر کوششوں سے بھی باہر نہیں نکل پا رہا تھا۔ آخر باز نے لچھے کو پیچھے کی طرف کھینچ کر ایک جھٹکے سے اوپر اٹھایا۔ لچھا باہر تو نکل آیا لیکن اس کی چونچ سے چھوٹ کر گر پڑا لیکن اس سے پہلے کہ لچھا پانی میں گرتا باز نے بڑی تیزی سے جھپٹا اور گرتے گرتے لچھے کو اپنے پنجوں میں دبوچ لیا اور اڑتا ہوا طوفانی ندی کو پار کرکے جنید کے پاس آگیا۔

وقت کافی گزر چکا تھا۔ جنید کو بھوک لگ رہی تھی اس نے تھیلے میں سے کچھ کھانے کی چیزیں نکالیں اور اپنے دونوں ساتھیوں کے ساتھ کھایا۔ تار کو اچھی طرح تھیلے میں لپیٹ کر رکھ لیا اور شہر کی طرف واپسی کی تیاری کرنے لگا۔ اب نہ تو اسے لوہے کے جوتے کی ضرورت تھی اور نہ ہی زرہ بکتر کی، اس لیے اس نے وہ دونوں چیزیں ندی میں پھینک دیں کیونکہ ان کا وزن بہت زیادہ تھا اور وہ جلد سے جلد شہر پہنچنا چاہتا تھا۔ شام قریب تھی۔ اس نے پھر تھیلے کو اپنی پیٹھ پر باندھ لیا۔ کندن بوٹی کے لوٹے کو ہاتھ میں پکڑ لیا اور شہر کی طرف روانہ ہوا۔

چلتے چلتے وہ لال پہاڑی پر آیا تو رات ہوچکی تھی اگرچہ چاندنی رات تھی لیکن دن بھر کا تھکا ہوا تھا اس لیے اس نے رات میں سفر کرنا مناسب نہ سمجھا، پہاڑی پر وہ ایک محفوظ جگہ پر سو گیا۔ اس کے دونوں ساتھی ایک درخت پر جا کر سو گئے۔

رات بھر وہ اطمینان سے سوتے رہے۔ صبح اچانک کچھ کھڑا کھڑاہٹ کی آواز ہوئی تو جنید کی آنکھ کھل گئی۔ اس نے دیکھا کہ دو نہایت ہی ڈراؤنی صورت کے آدمی اس کے پاس کھڑے ہیں۔ وہ غرا کر بولے۔ ''کیوں رے چھوکرے کون ہے تو اور یہاں کیا کر رہا ہے؟

جنید نے سوچا یہ لوگ ڈاکو ہیں اور شاید کہیں اسی پہاڑی پر رہتے ہوں گے۔ اس نے کہا ''میں ایک مسافر ہوں سفر کرتے ہوئے یہاں رات ہوگئی تو سو گیا۔''

''اچھا بتا تیرے تھیلے میں کیا ہے؟ نکال باہر۔

جنید نے تھیلے کا سب سامان نکال کر دکھا دیا۔ اس میں کھانے کی کچھ چیزیں تھیں اور کوئی خاص چیز نہیں تھی۔ اچانک ایک ڈاکو کی نظر اس لوٹے پر پڑی جس میں کندن بوٹی تھی۔ اس نے پوچھا اس لوٹے میں کیا ہے؟

جیسے ہی انھوں نے لوٹے کے متعلق پوچھا جنید کا چہرہ ڈر سے پیلا پڑ گیا۔ اس نے سوچا کہ اگر ان لوگوں نے لوٹا چھین لیا تو ساری محنت اکارت جائے گی۔ اس لیے اس نے گھبرا کر کہا۔

''اس لوٹے میں کچھ نہیں ہے پینے کا پانی ہے جسے راستے میں پینے کے لیے رکھ لیا ہے۔''

''اچھا لاؤ وہ لوٹا'' ایک ڈاکو نے کہا۔

جنید گھبرا گیا کہ اگر انھوں نے کندن بوٹی دیکھ لی تو یہ مجھ سے چھین لیں گے مگر اب کیا ہو سکتا تھا، انھوں نے دیکھ لیا تھا اور جنید کی گھبراہٹ سے سمجھ گئے تھے کہ اس میں کوئی اہم خبر ہے۔ اس لیے ایک ڈاکو نے آگے بڑھ کر جنید کے ہاتھ سے لوٹا چھین لیا۔ ڈاکوؤں نے لوٹے کو کھول کر دیکھا تو ایک ڈاکو نے اسے پہچان لیا اور دوسرے سے کہا ''ارے یہ تو کندن بوٹی ہے اگر اسے لے کر ہم راجہ کے پاس جائیں گے تو ہمیں بہت بڑا انعام ملے گا۔ لیکن اس لڑکے کو یہ بوٹی کہاں سے ملی۔''

دوسرے ڈاکو نے کہا ''ابے کہیں سے بھی ملی ہوگی چلو ہم دونوں اسے لے کر راجہ کے دربار میں جائیں گے اور راجہ سے انعام حاصل کریں گے۔''

جنید نے دیکھا کہ دونوں ڈاکو کندن بوٹی کے دیکھنے میں مشغول ہیں، اس لیے چپکے سے خنجر نکالا اور تیزی سے ایک ڈاکو پر حملہ کر دیا مگر ایک ڈاکو نے روک لیا اور اس نے دھکا دے کر اسے ایک طرف ڈھکیل دیا اور آگے بڑھ کر اس نے جنید کا خنجر والا ہاتھ پکڑ لیا اور ایک زوردار مُکّا اس کے پیٹ پر مارا جنید تکلیف سے دوہرا ہو گیا اور درد سے چلا پڑا۔ خنجر اس کے ہاتھ سے چھوٹ کر گر پڑا اور سر میں بڑی زور کی چوٹ لگی۔ وہیں زمین پر ایک پتھر پڑا ہوا تھا۔ جنید نے اسے اٹھا کر اس ڈاکو کے سر پر دے مارا جس نے اس کے پیٹ پر گھونسا مارا تھا پتھر سیدھا جا کر اس کی پیشانی پر پڑا اور خون بہنے لگا۔ اسی وقت دوسرا ڈاکو آگے بڑھا اور اس نے جنید کو دو چار گھونسے اور لات مارے اور دوسرے ڈاکو سے کہا ''اب یہاں سے بھاگ چلو ایسا نہ ہو کہ دوسرے اپنے ساتھی یہاں آ جائیں اور اس انعام میں حصہ بٹا لیں۔ دونوں ڈاکوؤں نے لوٹے کو مضبوطی سے تھاما اور ایک سمت کو بھاگنے لگے۔ اتنے میں باز اور بندر درخت سے اتر کر نیچے چلے آئے۔ جنید زمین پر پڑا کراہ رہا تھا اور افسوس کر رہا تھا کہ اتنی محنت سے اس نے جو بوٹی حاصل کی تھی وہ ایک منٹ میں اس کے ہاتھ سے نکل گئی۔ جب بندر اور باز اس کے قریب آ گئے تو اس نے ان دونوں کو اشارے سے سمجھا کر لوٹا ان ڈاکوؤں سے چھین کر لانے کے لیے کہا وہ دونوں اس مہم پر روانہ ہو گئے۔ دونوں ڈاکوؤں کے پاس گھوڑے تھے

وہ ان پر بیٹھ کر چلے جا رہے تھے۔ باز کی ان پر نظر پڑی تو اس نے اپنی سخت چونچ اس ڈاکو کی کھوپڑی پر ماری جس کے ہاتھ میں کندن بوٹی کا لوٹا تھا۔ باز کی چونچ کچھ اتنی تیزی پڑی تھی کہ اس کے سر سے خون بہہ نکلا، اس نے جو اوپر دیکھا تو اسے ایک بڑا سا باز اڑتا ہوا نظر آیا۔ اس سے پہلے کہ وہ سنبھل پاتا باز نے اسی قوت سے دوسرا حملہ کیا اور پھر اس کی کھوپڑی پر اپنی سخت چونچ گاڑھ دی۔ ڈاکو کو ایسا لگا جیسے کسی نے اس کی کھوپڑی میں سلاخ گاڑھ دی ہو۔ مارے تکلیف کے وہ چیخ اٹھا اور بے اختیار دونوں ہاتھ سر کی طرف لے لیا جس کی وجہ سے گھوڑے کی لگام اس کے ہاتھ سے چھوٹ گئی۔ گھوڑا تیزی سے دوڑتا جا رہا تھا جس کی وجہ سے ڈاکو اپنے کو سنبھال نہ سکا اور وہ گھوڑے کی پیٹھ سے گر پڑا اور لوٹا بھی اس کے ہاتھ سے چھوٹ گیا۔ لوٹے کا منہ اچھی طرح بند تھا اس لیے نہ تو کندن بوٹی ہی گری اور نہ ہی لوٹے کا پانی گرنے پایا۔ جب دوسرے ڈاکو نے اسے گرتے دیکھا تو اس نے جلدی سے اپنا گھوڑا روکا اور لوٹے کے پاس آیا اس کا ساتھی ڈاکو زمین پر پڑا ہوا تھا لیکن اس کی مدد کرنے کی بجائے وہ سیدھا لوٹے کے پاس آیا اور اسے اٹھانے کے لیے گھوڑے سے اتر گیا۔ اتنے عرصے میں بندر بھی وہاں پہنچ چکا تھا۔ اس سے پہلے کہ وہ لوٹے کو اٹھاتا، بندر نے ایک جست لگائی اور لوٹا اٹھا کر ایک اونچی سی چٹان پر جا بیٹھا۔ اب جو ڈاکو نے لوٹے کو بندر کے ہاتھ میں دیکھا تو وہ بھی اس کے پیچھے لوٹا چھیننے کے لیے دوڑا لیکن چٹان کافی اونچی تھی نہ تو وہ اس پر چڑھ سکتا تھا اور نہ ہی اس کا ہاتھ وہاں تک پہنچ سکتا تھا۔ جب باز نے دیکھا کہ لوٹا اس کے ساتھی بندر کے پاس ہے ایک ڈاکو زمین پر پڑا ہوا ہے اور دوسرا بندر سے لوٹا چھیننے کے لیے بے چین ہے تو وہ گھوڑوں کو چونچیں مارنے لگا۔ گھوڑوں کو اتنی تکلیف پہنچی کہ وہ اس جگہ سے سرپٹ بھاگنے لگے۔ باز کبھی ایک گھوڑے کی پچھلی ٹانگ پر چونچ مارتا تو کبھی دوسرے گھوڑے کی! گھوڑوں کو جو متواتر چونچیں لگنے لگیں تو وہ بے تحاشہ بھاگے جب وہ بہت دور چلے گئے تو باز وہاں سے اڑتا ہوا واپس آیا جہاں پر بندر اور ڈاکو تھے اس نے دیکھا کہ بندر اطمینان سے اوپری چٹان پر بیٹھا ہوا تھا اور وہ ڈاکو جو زخمی تھا دھیرے دھیرے چلتا ہوا چٹان کے پاس پہنچا۔ جب پہلے ڈاکو نے زخمی ڈاکو کو آتے ہوئے دیکھا تو پہلے تو وہ اس کو مارنے کے ارادے سے آگے بڑھا کیونکہ دوسرا ڈاکو کافی زخمی ہو چکا تھا۔ پھر پہلے ڈاکو کو نہ جانے کیا سوجھی کہ اس نے اس کو قریب بلایا اور کہا "تو یہاں نیچے بیٹھ جا میں تیرے کندھے پر چڑھ کر بندر سے لوٹا چھین لیتا ہوں۔" زخمی ڈاکو کو بھی یہ بات پسند آئی وہ نیچے بیٹھ گیا اور دوسرا ڈاکو اس کے کندھے پر کھڑا ہو گیا لیکن جیسے ہی نیچے والا ڈاکو کھڑا ہونے لگا باز نے اوپر سے جست لگائی اور نیچے والے ڈاکو کی پیٹھ پر اپنی چونچ سے بڑا سخت حملہ کیا، چونچ سے باز نے تھوڑا گوشت کاٹ لیا اور اڑ گیا۔ اس ڈاکو کے منہ سے ایک چیخ نکل گئی اور وہ دھڑام سے زمین پر گر پڑا اور اس کے ساتھ ہی دوسرا ڈاکو جو اس کے کندھے پر کھڑا تھا وہ بھی منہ کے بل زمین پر گر پڑا اور اس کی ناک پھول گئی۔ بھل بھل خون بہنے لگا۔ اوپر والے ڈاکو نے باز کو نہیں دیکھا تھا۔ اس نے سمجھا کہ اس نے مجھے جان بوجھ کر گرایا ہے۔ اس نے اپنی ناک سے خون بہتا ہوا دیکھا تو غصے سے بے قابو ہو گیا۔ زخمی ڈاکو کو اپنی لاتوں سے مارنے لگا۔ زخمی ڈاکو نے کہا "اے مجھے کیوں مارتا ہے، میں نے تجھے جان بوجھ کر نہیں گرایا۔ اس باز نے میری بوٹی نوچ لی ہے یہ دیکھ!" اتنا کہہ کر اس نے اپنا زخم دکھایا اور باز کی طرف اشارہ کیا جو ایک

درخت پر بیٹھا ہوا تھا۔ دونوں ڈاکو باز کی طرف دیکھنے لگے، بندر کی طرف سے ان کا خیال ہٹ گیا۔ بندر دھیرے دھیرے نیچے اتر کر آیا اور لوٹے کو چٹان پر ہی رہنے دیا۔ دونوں ڈاکوؤں کے قریب آیا اور ایک چھلانگ لگا کر جس ڈاکو کی ناک پھوٹ گئی تھی وہیں پر ایک زوردار طمانچہ مارا اور پھرا چلتا کودتا آ کر چٹان پر بیٹھ گیا، جیسے ہی بندر کا طمانچہ اس ڈاکو کی ناک پر پڑا وہ درد سے چلاّ اٹھا، ارے میری ناک، میری ناک کاٹ ڈالا بندر نے، وہ بندر کو پکڑنے کے لیے چٹان کی طرف دوڑا اس کے پیچھے دوسرا ڈاکو بھی بھاگا۔

اسی وقت باز نے پھر ایک غوطہ لگایا اور زخمی ڈاکو کی کھوپڑی پر ایک گہری چوٹ لگائی۔ وہاں تو پہلے ہی زخم تھا، اس دوسری چوٹ سے تڑپ اٹھا اور درد کے مارے کراہنے لگا۔ اس کی سمجھ میں نہیں آیا کہ کیا کرے، اس نے ایک پتھر اٹھا کر باز پر چلایا مگر وہ اتنی اونچائی پر اڑ رہا تھا کہ یہ پتھر اس تک پہنچا ہی نہیں۔

ادھر دوسرے ڈاکو نے اس چٹان پر چڑھنے کی کوشش شروع کر دی جس پر ہندو لوٹا لے کر بیٹھا ہوا تھا جب وہ دھیرے دھیرے اوپر آنے کی کوشش کر رہا تھا تو بندر دوسری طرف سے اتر کر نیچے آیا اور اس ڈاکو کی ٹانگ میں زور سے کاٹ لیا جس کی وجہ سے ڈاکو نیچے گر پڑا تھا، اس کے بعد بندر اطمینان سے پھر چٹان پر آ کر بیٹھ گیا۔ باز ایک درخت پر بیٹھا دوسرے زخمی ڈاکو کو دیکھ رہا تھا۔ پتھر لگنے کے بعد اس نے وہاں سے بھاگ جانے میں ہی خیریت سمجھی۔ جب باز نے اسے وہاں سے بھاگتے ہوئے دیکھا تو وہ بھی اس کے پیچھے اڑا اور اس کے سر پر پہنچ گیا۔ ڈاکو نے جو اسے دیکھا تو اپنے سر پر دونوں ہاتھ رکھ لیا اور بھاگتا رہا اور اوپر بھی دیکھتا جاتا تھا۔ ایک دفعہ باز نے جو غوطہ لگایا تو اس نے خوف سے آنکھیں بند کر لیں اسی وقت ڈاکو کا پیر ایک چٹان سے ٹکرایا اور ایک گہری کھائی میں گر پڑا۔

ادھر بندر دوسرے ڈاکو کے پیچھے پڑا ہوا تھا۔ اس نے چھوٹے چھوٹے بہت سے پتھر جمع کر لیے تھے اور جب ڈاکو اوپر چڑھنے کی کوشش کرتا ادھر سے بندر ایک پتھر سے حملہ کر دیتا، بالآخر وہ بھی وہاں سے بھاگ نکلا۔ اس طرح جب دشمنوں سے میدان صاف ہو گیا تب دونوں چٹان پر آئے۔ باز نے اپنے پنجوں سے لوٹے کو اٹھا لیا اور اڑتا ہوا۔ جنید کی طرف روانہ ہوا بندر بھی چھلانگیں لگاتا ہوا چلا اور تھوڑی دیر میں دونوں جنید کے پاس پہنچ گئے۔ جنید نے لوٹے کو دیکھا تو اسے اطمینان ہو گیا اور اسے یقین ہو گیا کہ اس کے دوستوں نے، ڈاکوؤں کو بھگا دیا۔

اس طرح ڈاکوؤں کی وجہ سے تقریباً تین گھنٹے برباد ہو گئے۔ صبح کے گیارہ بج چکے تھے۔ آج تیسرا دن تھا۔ اسے کل پہنچ کر بوٹی راجہ صاحب کے حوالے کرنی تھی، وہ تیزی سے آگے بڑھنے لگا۔ چلتے چلتے وہ پہاڑی سے نیچے اتر آئے۔ سورج سر پر چمک رہا تھا۔ دھوپ بہت تیز تھی۔ دوپہر کا وقت ہو گیا۔ جنید کو بھوک محسوس ہوئی۔ اس کے ساتھی بھی بھوکے تھے۔ ایک بڑے سے پیپل کے درخت کے نیچے وہ بیٹھ گیا۔ وہیں پانی کا ایک جھرنا بہہ رہا تھا۔ جھرنے پر جا کر اس نے منہ ہاتھ دھویا اور تھیلے سے کھانے کی چیزیں نکال کر خود کھایا اور اپنے ساتھیوں کو بھی کھلایا۔

(جاری...)

■

ماخذ: بے زبان ساتھی، **مصنف:** وکیل نجیب، **سنہ اشاعت:** چوتھی طباعت 2014، **ناشر:** قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان، نئی دہلی

مصنف: لیو ٹالسٹائی
مترجم: ظہیر نیازی

شیر اور کتا

لندن میں جنگلی جانوروں کو دیکھنے کے لیے پیسے دینے پڑتے تھے۔ جو لوگ نقد پیسے نہیں دے پاتے وہ بلیاں، کتے لاتے جو جانوروں کو کھلائے جاتے۔ ایک آدمی کا من مچلا کہ وہ جانور دیکھے۔ اس نے گلی سے ایک کتا پکڑ لیا اور Zoo جا پہنچا۔ ''جانور کو دیکھ سکتے ہو'' زُو (چڑیا گھر) والے نے کتے کو شیر کے پنجرے میں پھینک دیا۔ اس چھوٹے سے کتے نے اپنی ٹانگوں کے درمیان دم دبائی اور پنجرے کے ایک کونے میں دبک کر بیٹھ گیا۔ شیر کتے کے پاس آیا اور اسے سونگھا! کتا پیٹھ کے بل لیٹ گیا۔ پنجے اوپر کی طرف اٹھا لیے اور دم ہلانے لگا! شیر نے اسے اپنے پنجے سے چھوا اور الٹ دیا! چھوٹا سا یہ کتا اچھل کر کھڑا ہوا اور اپنی پچھلی ٹانگوں کے بل شیر کے سامنے بیٹھ گیا! شیر اسے غور سے دیکھتا رہا— اس نے دائیں بائیں اپنا سر ہلایا لیکن کتے کو نہیں چھوا۔ جانوروں کے مالک نے جب شیر کے پنجرے میں گوشت پھینکا تو شیر نے اس میں سے ایک ٹکڑا کاٹ کر کتے کے لیے چھوڑ دیا۔ شام ہوئی تو شیر سونے کے لیے لیٹ گیا۔ کتا بھی شیر کے قریب ہی لیٹ گیا اور اس نے اپنا سر شیر کے پنجے پر رکھ دیا!!

اس دن سے یہ چھوٹا سا کتا ایک ہی پنجرے میں شیر کے ساتھ رہنے لگا۔ شیر نے کبھی بھی اسے کسی طرح کا نقصان نہیں پہنچایا۔ وہ پنجرے میں دیا جانے والا گوشت کھاتا، کتے کے ساتھ سوتا اور کبھی کبھار اس کے ساتھ کھیلتا بھی!

ایک دن ایک رئیس جانوروں کو دیکھنے چڑیا گھر آیا۔ اس نے اپنا کتا پہچان لیا۔ اس نے Zoo کے مالک سے کہا کہ کتا اس کا ہے اور براہِ کرم اسے لوٹا دیا جائے۔ مالک نے کتا لوٹانا چاہا، لیکن جیسے ہی کتے کو پنجرے سے باہر نکالنے کے لیے اسے بلایا جانے لگا، ویسے ہی شیر کے ایال تن گئے اور وہ گرجنے لگا!... اس طرح وہ چھوٹا سا کتا اور شیر سال بھر ایک ہی پنجرے میں بڑے مزے میں رہے!!

ایک سال کے بعد کتا بیمار پڑا اور مر گیا—

شیر نے کھانا پینا چھوڑ دیا، کتے کو سونگھتا، چاٹتا اور پنجے سے ہلاتا ڈلاتا رہا!

شیر جب یہ سمجھ گیا کہ کتا مر چکا ہے تو وہ اچانک اچھل کر کھڑا ہوا، اس کے ایال تن گئے، وہ اپنی دم کو اگل بغل مارنے لگا، بار بار پنجرے کی سلاخوں سے ٹکرانے اور فرش کو نوچنے لگا!— وہ دن بھر پنجرے میں چھٹپٹاتا اور گرجتا تڑپتا رہا... پھر وہ مرچکے کتے کے پاس جا کر پڑ رہا اور چپ ہو گیا!— مالک نے مردہ کتے کو وہاں سے ہٹانا چاہا، مگر شیر نے کسی کو بھی، کتے کے پاس پھٹکنے تک نہ دیا!!— Zoo کے مالک نے سوچا کہ اگر شیر کو دوسرا کتا دے دیا جائے تو وہ اپنا غم بھول جائے گا، سو اس نے ایک زندہ کتا پنجرے میں چھوڑ دیا۔ مگر شیر نے فوراً ہی اس کے ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالے!

پھر وہ مردہ کتے کو اپنے پنجوں سے آغوش میں لے کر— پانچ دنوں تک اسی طرح پڑا رہا!!!— چھٹے دن شیر مر گیا!

■

Zaheer Niyazi
At+P.O: Bhurkunda - 829135 (Jharkhand)

حلیمہ فردوس

پہیلیاں

بوجھو تو جانیں

نیچے دی گئی پہیلیوں میں حروف کی مدد سے بننے والے الفاظ اشارۃً بیان کیے گئے ہیں۔ ان پہیلیوں میں بعض کے ایک اور بعض پہیلی کے دو جوابات ہیں ۔ آپ کو ان گیارہ پہیلوں کے جواب تلاش کرنے ہیں:

مثال: سر کاٹو تو امن بنے پاؤں کا ٹو تو پیالہ
امیر خسرو یوں کہیں رنگ ہے اس کا کالا
(جامن۔جام)

(1) پیر کاٹو تو چاند بنوں میں، ہاتھ کاٹو تو بہنے لگوں
سونے سے سستی ہوں میں، اور پیتل سے مہنگی

(2) تین حرفوں کا نام ہے میرا، انداز ہے میرا نرالا
چھک چھک کرتی میں چلوں، منہ دیکھے ہے خالا

(3) دن میں بانٹے ڈاک وہ گھر گھر، پہنے خاکی وردی
رات میں جو ڈاکہ ڈالے ہے، لوٹے مال بے دردی

(4) بار بار نہ پوچھو تم، کیا ہے اس کا دام
اپنی عقل کو تازہ کرلو، اور کرلو آرام

(5) 'ب' جمع کرو 'لب' میں تو گھر ہو جائے روشن
'ل' کے اضافے سے میں چہکوں گلشن گلشن

(6) چار حرفی ہے میرا نام، ہنا پر کے اڑنا میرا کام
'الف' کے جادو سے تم دیکھو بھن بھن کرتا جاؤں

(7) من سے جاپ کریں جہاں سب، ہے وہ کونسا در
دیکھو چاروں اُور ہے پانی، ڈوب نہ جائیں ہم

(8) جل میں ناوہ تیرے ہے، تیل میں ڈبکی لگائے
بھیّا خوب مزے اڑائے، بہنا منہ کی کھائے

(9) میرا پاؤں کیا کٹا، بن گیا میں اک پھل
مجھے پہنو پاؤں میں، تب چلنا ہوگا سپھل

(10) پہلا حرف ہضم کرنے سے سننا ہوا آسان
بیگم 'م' سے پوچھنا تم کیا ہے میرا نام

(11) ٹم ٹم میں نا بیٹھوں میں، اور ٹر ٹر نہ کروں میں
مٹر جیسا چھوٹا نہیں، کدو جیسا موٹا نہیں

جوابات اسی شمارے میں تلاش کریں

■

Dr. Haleema Firdous
414, A1-Ganga Block
National Games Village
Kora Mangala
Bangalore - 560047 (Karnataka)

ذکریٰ غزال

سچا دوست

دوستو! آپ نے اس نام کی کہانی بہت سنی ہوگی کہ دو دوست تھے وہ ایک جنگل میں گئے وہاں بھالو ملا دوسرا دوست پہلے دوست کو چھوڑ کر درخت پر چڑھ گیا، لیکن پہلا دوست بچ گیا اور پھر انھوں نے اپنی دوستی توڑ دی، لیکن یہ کہانی اس کہانی سے بہت مختلف ہے۔ یہ کہانی بھی دو دوستوں کے بارے میں ہے، لیکن یہ دوست اُن دوستوں سے بہت الگ تھے۔ یہ ایک دوسرے کے لیے کچھ بھی کر سکتے تھے۔ ان دوستوں کا نام تھا احمد اور انور۔ دونوں ایک ہی اسکول میں اور ایک ہی جماعت میں پڑھتے تھے۔ ایک دن اچانک احمد کے والدین ایک حادثے میں اللہ کو پیارے ہو گئے۔ پھر احمد ایک دُکان میں برتن دھونے کا کام کرنے لگا اور ان پیسوں سے اپنا اور اپنے اسکول کا خرچ اٹھانے لگا۔ ایک بار انور نے احمد کو بتایا کہ وہ بہت جلد ایک نئی سائیکل لینے والا ہے۔ احمد یہ سن کر بہت خوش ہوا۔ پھر ایک ہفتے بعد انور نے کہا کہ اس نے پیسے جمع کر لیے ہیں جتنے میں ایک نئی سائیکل آ جائے گی۔ وہ اسی اتوار کو اپنی نئی سائیکل خرید لے گا۔ اس دن منگل تھا۔ پھر یہ ہوا کہ جمعرات کے دن احمد جب اپنا کام کر رہا تھا تو اس سے بہت سارے مہنگے برتن ٹوٹ گئے۔ اس دکاندار نے اس کو نوکری سے نکال دیا۔ احمد کو ان دنوں اسکول کی فیس ادا کرنی تھی۔ اب احمد کے پاس پیسے تو تھے نہیں کہ دو وقت کا کھانا کھا پائے۔ اب وہ اسکول کی فیس کہاں سے ادا کرے گا؟ لیکن اس نے یہ بات انور کو نہیں بتائی لیکن انور کو کسی طرح یہ بات پتہ چل گئی۔ اس نے ارادہ کیا کہ اگر احمد کو انور کی مدد نہیں چاہیے تو ٹھیک ہے لیکن میں کسی طرح احمد کی مدد کر کے رہوں گا۔ انور نے اپنے پیسے جو اس نے اپنی سائیکل کے لیے جمع کر رکھے تھے ان پیسوں سے اس نے احمد کی فیس ادا کر دی۔ احمد کو پتہ چلا کہ کسی نے اس کی فیس ادا کی ہے تو وہ سمجھ گیا کہ انور نے ہی اس کی فیس ادا کی ہے۔ وہ اسی وقت انور کے پاس گیا اور اس سے پوچھا کہ اس نے اس کی فیس کیوں ادا کی؟ اسے تو ایک سائیکل لینی تھی تو انور بولا 'سائیکلیں تو بہت مل جائیں گی پر تمھارے جیسا دوست تو ایک ہی ملا ہے۔

■

Zikra Ghazal
Class: VI, Syed Abid Husain
Sr. Secondry School
Jamia Millia Islamia
New Delhi - 110025

آپ کا دماغ کتنا تیز ہے؟

دوستو! یہ دونوں تصویریں دیکھنے میں تو ایک جیسی لگتی ہیں لیکن تصویروں کی نقل بنانے والے سے ایک دو نہیں بلکہ دس غلطیاں ہوگئی ہیں۔ کیا آپ ان غلطیوں کو تلاش کر سکتے ہیں؟ 10 منٹ میں اگر آپ نے تمام غلطیاں تلاش کرلیں تو سمجھیے کہ واقعی آپ کا دماغ بہت تیز ہے۔

■ جوابات اسی شمارے میں تلاش کریں

ایک بڑھیا تیسری منزل پر رہتی تھی وہ دن میں کئی بار سیڑھیاں اترتی اور چڑھتی۔ ایک دن وہ سیڑھیوں سے گرگئی اور ٹانگ ٹوٹ گئی۔ ڈاکٹر کے پاس گئی۔ ڈاکٹر نے چیک اَپ کے بعد اسے سیڑھیوں سے اترنے اور چڑھنے سے منع کردیا۔ بڑھیا دوسری مرتبہ پھر ڈاکٹر کے پاس گئی تو ڈاکٹر نے چلنے پھرنے اور سیڑھیاں اترنے چڑھنے کی اجازت دے دی۔ بڑھیا نے شکریہ ادا کرتے ہوئے کہا میں ابھی کافی تنگ آگئی تھی۔ پائپ کے ذریعے اترنے چڑھنے سے۔

وارڈن نے سزائے موت پانے والے مجرم کو بجلی کی کرسی پر بٹھاتے ہوئے پوچھا۔

تمھاری کوئی آخری خواہش ہوتو بتاؤ۔

مجرم نے ذرا سوچ کر کہا۔

آپ ذرا میرا ہاتھ تھام لیجیے۔

ایک سیٹھ کے پاؤں بہت بڑے تھے۔ ایک بار وہ اپنے نوکر کے ساتھ جوتا خریدنے گیا مگر جوتے کا بڑے سے بڑا سائز بھی اس کے پیر میں فٹ نہ آیا۔ اچانک لائٹ چلی گئی۔ سیٹھ خوشی سے اچھل پڑا۔ یہ جوتا میرے پورا آ گیا۔ یہ جوتا میرے پورا آ گیا ہے۔ نوکر نے کہا لیکن حضور آپ نے تو ڈبہ پہن رکھا ہے۔

مشہور انگریزی مصنف چارلس لیمپ کسی زمانے میں انڈیا ہاؤس میں ملازم تھے۔ یہ ملازمت ان کے مزاج کے خلاف تھی۔ اس لیے وہ اس میں دلچسپی نہیں لیتے تھے اور پابندی وقت کا خیال نہیں رکھتے تھے۔ یہ بات ان کے افسر کو معلوم ہوئی ایک دن ان سے کہنے لگے۔

میں کئی دنوں سے دیکھ رہا ہوں کہ آپ مسلسل دیر سے دفتر آتے ہیں۔

جی ہاں جناب،

آپ نے نہیں دیکھا کہ اس کے بدلے میں جلدی دفتر سے چلا جاتا ہوں۔

پہلا کھلاڑی: کیا بات ہے اتنے پریشان کیوں ہوں؟

دوسرا کھلاڑی: میرے ڈاکٹر کا کہنا ہے کہ مجھے فوراً ہاکی کھیلنا بند کردینی چاہیے۔

پہلا کھلاڑی: معلوم ہوتا ہے اس نے تمھارا کھیل دیکھ لیا ہے۔

تسمیہ حسین صاحب مستانوالے

ڈاکٹر اے پی جے عبدالکلام کا پورا نام ابوالفاخر زین العابدین تھا۔ وہ ایک اچھے استاد، مشہور سائنسداں اور ہندوستانی عوام کے پسندیدہ لیڈر، حکمراں گزرے ہیں۔ ان کے اخلاق، ان کی شخصیت اور ان کے کارنامے رہتی دنیا تک بھلائے نہیں جاسکتے۔

ابوالفاخر زین العابدین عبدالکلام 15 اکتوبر 1931 کو تمل ناڈو کے رامیشورم میں پیدا ہوئے۔ ان کے والد کا نام زین العابدین اور والدہ کا نام عاشیمہ تھا۔ ان کا تعلق تمل ناڈو کے ایک متوسط خاندان سے تھا۔ ان کے باپ ماہی گیروں کو اپنی کشتی کرائے پر دیا کرتے تھے۔ اگرچہ وہ اَن پڑھ تھے لیکن عبدالکلام کی زندگی پر ان کے والد کے گہرے اثرات ہیں۔ ان کے دیے ہوئے عملی زندگی کے سبق عبدالکلام کے بہت کام آئے۔ غربت کا یہ عالم تھا کہ ابتدائی تعلیم کے دوران بھی عبدالکلام اپنے علاقے میں اخبارات تقسیم کیا کرتے تھے۔ وہ بچپن میں ہوائی جہاز کو اڑتا دیکھ کر بہت خوشی محسوس کرتے تھے اور چاہتے تھے کہ آگے چل کر میں بھی ایسا ہی ایک ہوائی جہاز تیار کروں۔

بچپن میں ایک استاد عبدالکلام کو بہت چاہتے تھے اور کلام بھی استاد کی بے حد عزت کرتے تھے۔ کلام اپنا زیادہ وقت استاد کے گھر پر ہی گزارتے تھے۔ ان کے استاد کتب خانہ سے کتابیں لاکر اپنے شاگرد کلام کو مطالعہ کے لیے دیتے تھے۔

کلام کا ایک دوست اور دور کا رشتہ دار جس کا نام جلال الدین تھا۔ اسے وہ بہت پسند کرتے تھے اور اپنا حال چال سنایا کرتے تھے۔ وہ اپنی والدہ سے بھی بہت پیار کرتے تھے۔ ان کی ماں مذہبی خیال کی تھیں۔

عبدالکلام کے والد زیادہ تعلیم یافتہ نہ ہونے کے باوجود اپنے بچوں کو اعلیٰ تعلیم دلانے کے خواہش مند تھے۔ عبدالکلام علم کے شوقین تھے۔ اس لیے ان کے والد ہر طرح کی تعلیمی سہولیات فراہم کرتے تھے۔ عبدالکلام کی پرائمری تعلیم ان کے گاؤں میں ہی مکمل ہوئی۔ انھوں نے سینٹ جوزف کالج میں داخلہ لے کر سائنس میں ڈگری حاصل کی۔ اس کے بعد مدراس میں ایرونائکل انجینئرنگ میں DMIT کی تعلیم حاصل کی۔ وہ سائنس میں بہت دلچسپی رکھتے تھے۔ ہوائی جہاز بنانے کی خواہش ان کے اندر سمائی ہوئی تھی۔ تعلیم حاصل کرنا، نئی نئی معلومات کو جاننا ان کا شوق تھا۔

عبدالکلام نے بنگلور کے HAL ادارے میں ہوائی جہاز تیار کرنے کا طریقہ جاننے کے لیے بہت سے لوگوں کے ساتھ مطالعہ شروع کیا۔ 1958 میں HSL میں تعلیم مکمل کرکے انجینئرنگ کی ڈگری حاصل کی۔

ڈاکٹر عبدالکلام نے بھارت کے گیارہویں صدر کے طور پر بھی خدمات انجام دیں۔ 2002 سے 2007 تک وہ ہندوستان کے صدر رہے۔ جوہری سائنس، سمارچہ کی لانچنگ پر ڈاکٹر عبدالکلام کی خدمات سنہری حروف سے لکھنے کے قابل ہیں۔

ڈاکٹر عبدالکلام نے 1974 میں بھات کا پہلا ایٹم بم تجربہ کیا تھا جس کے باعث انھیں 'میزائل مین' بھی کہا جاتا ہے۔

ڈاکٹر عبدالکلام کو حکومت ہند کی طرف سے 1981ء میں پدم بھوشن اعزاز سے نوازا گیا تھا۔ ڈاکٹر کلام کو سب سے بڑے شہری اعزاز بھارت رتن سے 1997 میں نوازا گیا۔ 2002ء میں عبدالکلام کو بھارت کا صدر منتخب کیا گیا۔ اس کے علاوہ وہ پدم وبھوشن، اندرا گاندھی ایوارڈ اور 1998 میں ویر ساور کر اعزاز بھی نوازے جا چکے ہیں۔

ڈاکٹر عبدالکلام کو 83 برس کی عمر میں 27 جولائی 2015ء بروز پیر کو شیلانگ میں طلبا سے بات کرتے وقت اچانک دل کا دورہ پڑا جس سے وہ وہیں گر پڑے۔ انھوں نے درس دیتے ہوئے بچوں کے درمیان ہی آخری سانس لی۔

اے پی جے عبدالکلام نے چار بہترین کتابیں لکھی ہیں:
(1) پرواز (ونگس آف فائر کا اردو ترجمہ) (2) انڈیا 2020 (3) مائی جرنی (My Journey) (4) اگنیٹڈ مائنڈز

ڈاکٹر عبدالکلام کی لکھی ہوئی ان تمام کتابوں کا کئی ہندوستانی اور غیر ملکی زبانوں میں ترجمہ ہو چکا ہے۔ عبدالکلام ہندوستان کے ایک ایسے سائنس داں گزرے ہیں جنھیں 30 یونیورسٹیوں اور اداروں سے ڈاکٹریٹ کی اعزازی ڈگریاں مل چکی ہیں۔

■

مرسلہ :
تسمیہ، حسین صاحب مستانوالے
گورنمنٹ اردو ہائی اسکول، بیل ہونگل، درجہ ہشتم، بیل ہونگل
ضلع بلگام کرناٹک

خدیجہ شیرین

بارش

بارش آئی
چھم چھم چھم
چھاتا لے کر
دوڑے ہم
آسماں سے پانی
زمین پر آئے
سارے بچوں
کو نہلائے
بارش آئی
چھم چھم چھم
چھاتا لے کر
دوڑے ہم

■

Khadeeja Sheereen
G-51/8, Shaheen Bagh
Okhla, Jamia Nagar, New Delhi - 110025

بوجھو تو جانیں

(1) ندی، چاندی (2) ریل (3) ڈاکیہ، ڈاکو (4) بادام (5) بلب، بلبل (6) پتنگ، پتنگا (7) مندر، سمندر (8) جلیبی (9) موز، موزہ (10) کان، مکان (11) ٹماٹر

محمد فراز تقی، درجہ پنجم، رائچور، کرناٹک

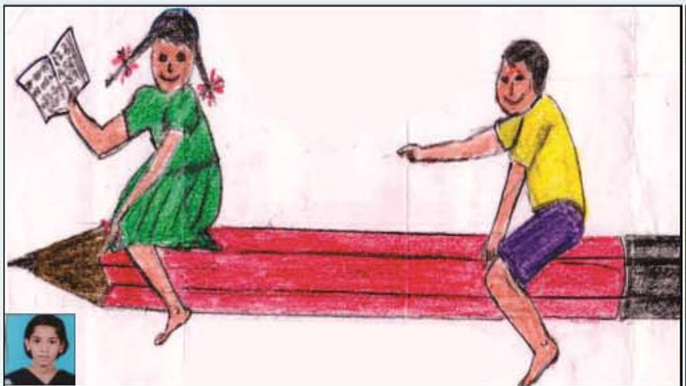

عرفہ ناز رابعہ ملا، سرکاری اردو مدرسہ نمبر 2، بیل ہونگل، کرناٹک

جویریہ دُرّانی، درجہ ششم (اے)، رِیان انٹرنیشنل اسکول، بروزئی، شاہجہانپور، یوپی

محمد قیام الحق ابن محمد عین الحق، سید جمال پورہ ناندورہ، بلڈانہ، مہاراشٹر

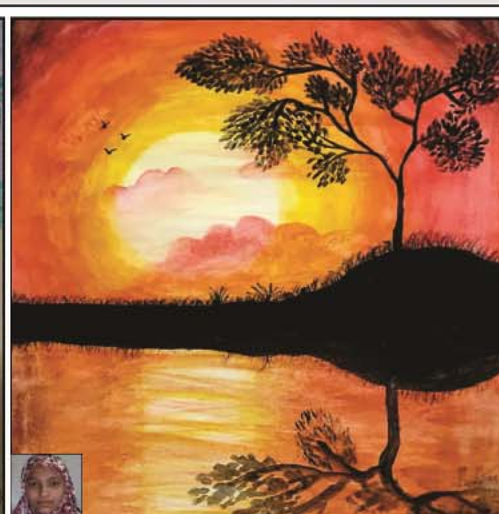

اقرا ناز نور الحسن منصوری، درجہ دہم، اردو ہائی اسکول، بادشاہ نگر، مہاراشٹر

عرشین بی شیخ عبدالجبار، الحسنات اردو اسکول، مہاراشٹر

امیہ، درجہ چہارم (بی)
صفیہ اردو پرائمری اسکول پیراڈائز کالونی، مہاراشٹر

شفاء ناز آصف خان پٹھان، درجہ نہم، انجمن اردو ہائی اسکول اینڈ جونیئر کالج، ضلع جلگاؤں، مہاراشٹر

حذیفہ خان، صفیہ اردو پرائمری اسکول پیراڈائز کالونی، مہاراشٹر

شمع پروین، درجہ ششم

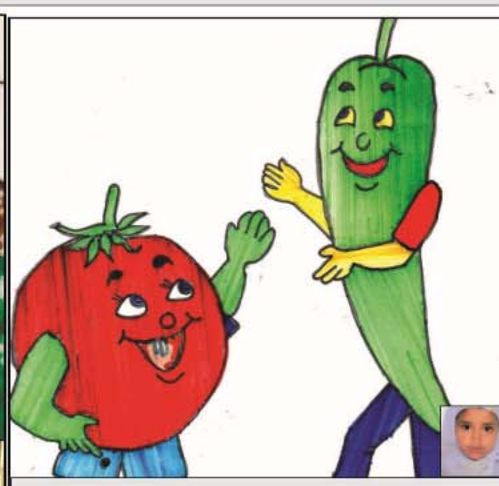

سمرن پروین مشتاق بیگ، درجہ چہارم، ضلع پریشد اردو ڈجیٹل اسکول
کرہ، تعلقہ چاندور بازار، ضلع امراوتی، مہاراشٹر

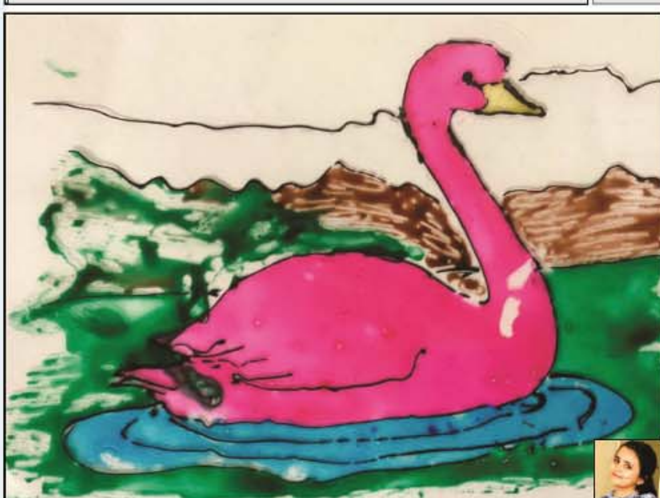

طیبہ خان، درجہ سوم اے، دہلی پبلک اسکول، جی بی این، نوئیڈا، اتر پردیش

facebook اردو فیس بک

میرا نام افسانہ منیار ہے۔ مجھے 'بچوں کی دنیا' بہت پسند ہے۔ یہ ایک ایسا رسالہ ہے جس نے ہر کسی کا دل جیت لیا ہے۔ میں اسے ہر ماہ دلچسپی اور پابندی سے پڑھتی ہوں۔ اس رسالے کی نظمیں اور قسط وار ناول و کہانیاں، لطیفے اور مضامین دلچسپ ہوتے ہیں اور مجھے بہت پسند ہیں۔ اس میں بہت ساری معلومات بھی ہوتی ہیں جو ہمارے لیے فائدہ مند ہیں۔

افسانہ منیار، مہاراشٹر

میرا نام شیخ دانیہ ارشاد ہے، میں درجہ سوم میں پڑھتی ہوں۔ 'بچوں کی دنیا' مجھے بہت پسند ہے۔ ہر ماہ پابندی سے 'بچوں کی دنیا' پڑھتی ہوں۔ مجھے بچوں کی پینٹنگ اور نظم بہت اچھی لگتی ہے، میں ہر جمعرات کو اپنے کلاس میں 'بچوں کی دنیا' سے ہی نظم پڑھتی ہوں۔

شیخ دانیہ ارشاد، درجہ سوم، جامعۃ الفلاح بلریا گنج، اعظم گڑھ، یوپی

میرا نام القا احمدی ہے۔ میرے ابو کا نام اقبال ہے۔ میں کلپ و رُکشا ماڈل اسکول بیل ہونگل میں پانچویں جماعت میں پڑھتی ہوں۔ ہمارے مدرسے میں اردو مضمون نہیں ہے۔ پر میں عربی میں قرآن پڑھنا سیکھ چکی ہوں۔ اسی

طرح اردو بھی امی جان کی مدد سے پڑھ لیتی ہوں۔ میری امی 'بچوں کی دنیا' کی سالانہ خریدار ہیں۔ میری امی سرکاری اردو مدرسہ نمبر 2 بیل ہونگل میں ٹیچر ہیں۔ میری بڑی امی (روشن جہاں) بھی سرکاری اردو مدرسہ نمبر 3 میں اردو معلّمہ ہیں۔ ہر ماہ 'بچوں کی دنیا' کا مجھے بے صبری سے انتظار رہتا ہے۔ میری دادی جان بھی اس میگزین کو شوق سے پڑھتی ہیں۔ میرا بھائی حسیب عرفات بھی یہ میگزین پڑھتا ہے۔ 'بچوں کی دنیا' مجھے بہت پسند ہے۔ بچوں کی پینٹنگ، آپ کا دماغ کتنا تیز ہے؟ ہنسی کے غبارے، مدیر صاحب کا خط، نظمیں، کہانیاں وغیرہ بہت پسند ہیں۔

القا حامدی، کلپ و رُکشا ماڈل اسکول بیل ہونگل، کرناٹک

میرا نام امن علیم شیخ ہے۔ میں نویں جماعت کا طالب علم ہوں۔ میں کئی سالوں سے 'بچوں کی دنیا' بڑی دلچسپی سے پڑھتا ہوں۔ اس سے میری پڑھنے کی صلاحیت میں اضافہ ہوا ہے۔ اور کئی ساری معلومات حاصل ہوئی ہیں۔ میں امید کروں گا کہ رسالہ 'بچوں کی دنیا' ہمیشہ شائع ہوتا رہے۔

امن علیم شیخ، درجہ نہم، بادشاہ نگر، نندوربار، مہاراشٹر

قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان کی چند مطبوعات

ابوالکلام آزاد ایک ہمہ گیر شخصیت

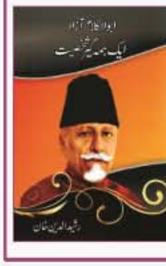

مصنف: رشید الدین خان

صفحات: 684

قیمت: 235 روپے

فرہنگِ مولانا ابوالکلام آزاد

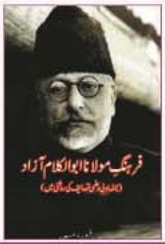

مصنف: رفیع اللہ مسعود

صفحات: 669

قیمت: 290 روپے

درسِ بلاغت

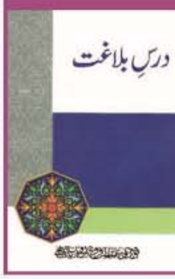

ادارہ

صفحات: 230

قیمت: 85 روپے

قومی یکجہتی ایک مطالعہ اور تجزیہ

مصنف: ابوسفیان

صفحات: 203

قیمت: 110 روپے

گوپال متل (مونوگراف)

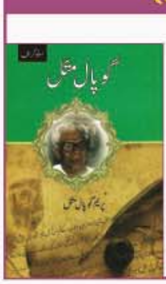

مصنف: پریم گوپال متل

صفحات: 117

قیمت: 80 روپے

کوثر چاندپوری (مونوگراف)

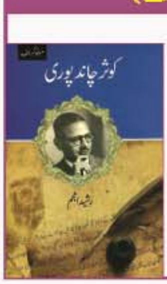

مصنف: رشید انجم

صفحات: 150

قیمت: 90 روپے

ہندوستان میں تانیثیت

مرتبہ: عذرا عابدی

صفحات: 392

قیمت: 180 روپے

برق اور مقناطیس

مصنف: محمد یٰسین

صفحات: 158

قیمت: 90 روپے

شعبۂ فروخت: قومی کونسل برائے فروغِ اردو زبان، ویسٹ بلاک 8، ونگ 7، آر کے پورم، نئی دہلی-110066
فون: 011-26109746، فیکس: 011-26108159، E-mail.:ncpulsaleunit@gmail.com, sales@ncpul.in

BACHON KI DUNIYA Monthly, October 2019, Vol. 07, Issue: 10
National Council for Promotion of Urdu Language
Department of Higher Education, Ministry of Human Resource Development, Government of India

RNI NO. DELURD/2013/50375
DL(S) - 01/3439/2019-21
ISSN 2350-1286
Date of Publication : 11/09/19
Date of Dispatch: 12 and 13 of advance Month

قومی اردو کونسل کا خوبصورت، خوب سیرت اور شاندار ماہنامہ 'بچوں کی دنیا' آج پورے ملک میں مقبول ہو رہا ہے۔ اس رسالے سے بچے، بزرگ اور محبانِ اردو فرحت، حوصلہ، ترغیب اور تحریک پا رہے ہیں۔ 'بچوں کی دنیا' طلبہ اور اساتذہ میں حوصلوں، خوابوں، تمناؤں اور آرزوؤں کو مہمیز کرتا ہے۔ 'بچوں کی دنیا' اردو کے فروغ کی عملی کوشش ہے۔ اس رسالے کو ملک کے گاؤں گاؤں، شہر شہر پہنچانا ہے۔ ملک کی ہر ریاست کے تمام اردو میڈیم مدارس اور انگریزی میڈیم اسکول، جہاں زبان اول یا دوم اردو ہو، ان تک اس رسالے کی رسائی ہونی چاہیے۔ تمام سرکاری اور نیم سرکاری اسکولوں کو یہ رسالہ لازمی خریدنا چاہیے۔ ہم نے اپنے نیشنل اینگلو اردو ہائی اسکول پمپری، پونہ مہاراشٹر میں اپنے طلبہ کے لیے اسے خریدنا لازمی قرار دیا ہے۔ ہمارے اسکول میں ہر جمعہ کو یوم مطالعہ کے طور پر منایا جاتا ہے۔ یقین جانیے بہت جلد اس کے بڑے نتائج برآمد ہوں گے۔ اس طرح اردو کا فروغ ہوگا ورنہ اردو کی موت میں آپ بھی حصے دار ہوں گے اور جتنے بھی اردو رسالے اور کتابیں اردو میں موجود ہیں وہ سب اگلی نسلوں کی سمجھ میں نہیں آپائیں گے۔ ہر اردو داں اپنی ذمے داری قبول کرتے ہوئے اس رسالے کو ملک کے گھر گھر اور اسکولوں میں پہنچائے۔

'بچوں کی دنیا' میں معلوماتی مضامین، دلچسپ کہانیاں، اردو فیس بک، قسط وار ناول، کہکشاں، سیاحتی مقامات اور دماغی ورزش کے علاوہ بہت کچھ ہے۔ طالب علموں کو اس رسالے سے بھرپور فائدہ اٹھانا چاہیے۔ 'بچوں کی دنیا' آپ کے روشن مستقبل کی ضمانت ہے۔

Printed and Published by Dr. Aquil Ahmad, Director NCPUL, on behalf of National Council for Promotion of Urdu Language, and printed at S. Narayan and sons, B-88 Okhla Indl. Area Phase II, New Delhi - 110020
And Published at Farogh-E-Urdu Bhawan, FC-33/9, Institutional Area, Jasola, New Delhi -110025.